انوار اسلام

"انوار اسلام" کے ساتھ ساتھ "انوار علم" کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے

مصنفہ

غازی محمود دھرم پال بی۔ اے

ایڈیٹر "حنیف"

لدھیانہ (پنجاب)

باراول۔ اسلامیہ سٹیم پریس لودیانہ میں باہتمام میاں محمد رفیق طابع کرکے غازی محمود دھرم پال نے شائع کیا   قیمت فی کاپی ۸ر

ب

پہلے ان سطور کا مطالعہ کیجئے

اس سے قبل میں "انوارِ عالم" کے صفحات میں لا مذہبیت اور دہریت کے برخلاف اور مذہب کی حمایت میں دلائل و براہین قلمبند کر کے پبلک میں پیش کر چکا ہوں۔ انوارِ عالم میں اسبات کا وعدہ کیا گیا تھا کہ اس کے دوسرے حصے میں جو انوارِ اسلام کے نام سے شائع کیا جائیگا۔ اسلام کی حقیقت و اہمیت کو اُن نوجوانوں کے سامنے پیش کیا جائیگا جو اسلام کو ہندوستان کی آزادی کے راستے میں رکاوٹ سمجھتے ہیں چنانچہ اسی وعدہ کے مطابق انوارِ اسلام کا یہ مضمون شائع کیا جاتا ہے۔ یہ مضمون نہ تو کسی مسجد کے حجرے میں بیٹھ کر لکھا گیا ہے۔ نہ ہی کسی تبلیغی یا اشاعتی انجمن کے اغراض و مقاصد کو مدِنظر رکھ کر قلمبند کیا گیا ہے۔ بلکہ مضمون کو لکھتے وقت نئی روشنی کے نوجوانوں کے اس خیال کو سامنے رکھا گیا ہے۔ کہ ہندوستان میں ہندو مسلمان کے جسقدر تنازعات ہیں ان کا واحد حل یہی ہے۔ کہ مذہب کو قطعاً برباد کر دیا جائے تاکہ مذہب سے آزادی حاصل کر کے ہندو مسلم اتحاد و اتفاق مستحکم ہو جائے۔ اور ہندوستان کی مکمل آزادی کا راستہ کھل جائے۔ اس کے برعکس میں نے "انوارِ عالم" اور "انوارِ اسلام" میں اس بات پر روشنی ڈالی ہے۔ کہ ہندوستان کے ہندو مسلم تنازعات کا واحد حل اس بات میں مضمر ہے۔ کہ ہندوستان میں مذہب کا جتنا حصہ برباد کیا جا چکا ہے اسکو بحال کیا جائے۔ اور جسقدر لا مذہبیت آ چکی ہے۔ اگر اسکو برباد کر کے مذہب کو اپنی اپنی قدرتی شکل میں قائم کیا جائے۔ تو ہندو مسلم منافقات کا قطعاً خاتمہ ہو جائیگا۔ اور ہندو مسلم اتحاد کا راستہ کھل جائیگا۔ ساتھ ہی ہندوستان کی مکمل آزادی کا راستہ بھی صاف ہو جائیگا۔ انوارِ اسلام میں اسلام کے ان اصولوں پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو ہندو مسلم منافقات کو دور کرنے میں ممد و معاون ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کیلئے انوارِ اسلام میں جو دو راستے بتلائے گئے ہیں۔ ان میں سے ہندو جس راستے کو چاہیں پسند کر سکتے ہیں ہندوستان کا مسلمان اسکے ساتھ اتفاق کریگا۔ ان دو راستوں کے سوا تیسرا راستہ کوئی نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہندو اور مسلمان انوارِ اسلام کا اول سے آخر تک غور سے مطالعہ کرینگے۔ مصنف

انوارِ اسلام

بیان کا پہلا حصہ

عزیزانِ وطن۔

اس سے قبل میں تمہارے سامنے مذہب کی حقیقت اور اس کی اہمیت وضرورت پر ایک مفصل بیان دے چکا ہوں۔ میرا یہ بیان انوارِ عالم کے نام سے طبع ہوکر ملک کے اطراف واکناف میں پھیل رہا ہے۔ مجھے اس بات کو بیان کر نہایت مسرت واطمینان حاصل ہے۔ کہ انوارِ عالم کا مطالعہ نوجوانانِ ہند کے لئے ازبس مفید ثابت ہو رہا ہے۔ سینکڑوں نوجوان جو مذہب کی حقیقت اور مذہب کے اغراض ومقاصد سے بے خبر ہونے کی وجہ سے "مذہب برباد" کے نعرے بلند کر رہے تھے انوارِ عالم کا مطالعہ کرکے مذہب کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ ملک کے ہر ایک گوشہ سے انوارِ عالم کے حق میں صدا بلند ہو رہی ہے۔ اب تک کسی شخص کو بلا تمیز اس کے کہ اس کا مذہب کیا ہے۔ انوارِ عالم کے برخلاف لب کشائی کا حوصلہ نہیں ہوا میرے نزدیک اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ میں نے انوارِ عالم میں اپنے علم ویقین کی بنا پر مذہب کا صحیح ترین تخیل پیش کرنے کی کوشش کی ہے میں مطمئن ہوں کہ میری یہ کوشش امید سے بڑھ کر کامیاب ثابت ہو رہی ہے۔

عزیزانِ وطن۔ انوارِ عالم میں مذہب کا ڈیفنس پیش کرتے ہوئے میں نے کہا تھا کہ میرا موجودہ ڈیفنس محض ایک مذہبی آدمی کی حیثیت سے ہے۔ مگر میرا آئندہ ڈیفنس بطور ایک مسلم کے ہوگا۔ اور وہ صرف اسلام کی برتریت میں ہوگا

کو لیکر ہو گا۔ کہ مذہبی دنیا میں اسلام کی پوزیشن کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے اس بیان میں اپنے وعدہ کو پورا کروں۔ میں کوشش کروں گا۔ کہ جس آزادی کے ساتھ میں نے انوار عالم میں مذہب کا ڈیفنس پیش کیا ہے۔ اسی آزادانہ سپرٹ میں آپ کے سامنے اسلام کا ڈیفنس بھی پیش کروں۔

کفر و اسلام کا مفہوم نئی روشنی میں

سب سے پہلے میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ اسلام کا دائرہ اثر کتنا وسیع ہے۔ دنیا میں جسقدر مذاہب ہیں اگر آپ اُن کا بغور مطالعہ کریں گے۔ تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ان میں سے کوئی مذہب کسی ایک کتاب تک محدود ہو کر رہ گیا۔ اور کوئی کسی شخصیت تک محدود ہو گیا۔ اور اُن مذاہب نے اپنا نام بھی کسی کتاب یا شخصیت کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ ویدک دھرم ویدوں تک محدود ہے۔ وہ ان سے آگے نہیں چلتا۔ بُدھ دھرم گوتم بُدھ تک محدود ہے۔ مسیحیت کی ابتدا مسیحؑ سے ہوتی ہے۔ زرانشٹریزم کا منبع زرانشٹر یا زردشت ہے۔ یہ پرانے مذہب ہیں جو کسی کتاب یا شخصیت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ انکی ابتدا اس کتاب یا شخصیت سے ہوتی ہے جس کی طرف کہ انکو منسوب کیا گیا ہے۔ مگر اسلام نہ تو کسی کتاب کا نام ہے۔ اور نہ ہی کسی شخصیت کا۔ اسلام کی دینی کتاب کا نام قرآن مجید ہے۔ مگر اسلام نے اپنے آپ کو قرآنزم کے نام سے نہیں پکارا۔ قرآن مجید کا نزول جس ذات پاک پر ہوا۔ اس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مگر اسلام نے اپنے آپ کو محمدؐ کی طرف منسوب کر کے اپنا نام محمدنزم نہیں رکھا۔ کتابوں اور شخصیتوں تک محدود رہنے والے مذاہب نے کوشش کی ہے۔ کہ وہ ہمیں بھی قرآنی یا محمڈن کے نام سے پکاریں۔ مگر اسلام نے ان ناموں کے قبول کرنے سے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔ اور اُس نے اپنے ماننے والوں کو قرآنی یا محمڈن کی بجائے مسلم کے نام سے پکارا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دنیا کے دوسرے فرقہ پرستوں کی طرح مسلمانوں نے بھی اپنے آپ کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر لیا۔ اور اپنے لئے ایسے نام تجویز کر لئے۔ جن کی اسلام نے یا اسلام کی دینی کتاب نے یا اسلام کے نبی نے یا اسلام کے ظاہر کرنیوالے نے ہرگز اجازت نہیں دی۔ مگر ان فرقہ بندیوں کی ذمہ داری فرقہ بندوں کے سر پر عائد ہوتی ہے

اسلام اس سے قطعی بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔

عزیزانِ وطن۔ اگر اسلام میں مختلف فرقوں کے سر پھٹول کو دیکھ کر تمھارے دل میں اسلام کی طرف سے نفرت پیدا ہوتی ہو۔ تو میں یہ کہونگا کہ تم نے اسلام اور اس کی دینی کتاب کا بغور مطالعہ نہیں کیا۔ اسلام تو فرقہ بندی کا اس قدر مخالف بلکہ بیخ کنی کرنے والا ہے۔ کہ وہ اپنا نام تک بھی کسی خاص کتاب یا شخصیت کے ساتھ وابستہ کرنا گوارا نہیں کرتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کتاب یا شخصیت کے نام پر ایک فرقہ پیدا ہو جائے۔ جو دوسری کتاب یا شخصیت کے ساتھ سر پھٹول کرنے لگ جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں اسلام کے ظہور کے اغراض و مقاصد یقیناً فوت ہو گئے ہوتے۔ اس لئے کہ ویدوں کے نام پر غیر ویدی لوگوں کے ساتھ لڑنے والے موجود تھے۔ مسیح کے نام پر غیر مسیحیوں کے ساتھ جنگ کرنے والے کافی تعداد میں موجود تھے۔ ایک کتاب کے ماننے والے دوسری کتابوں کے ماننے والوں کی بیخ کنی میں مشغول تھے۔ ایک شخصیت پر ایمان رکھنے والے دوسری شخصیتوں پر ایمان رکھنے والوں کو معدوم کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ مذہبی دنیا میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ بدامنی تھی۔ اسلام اس بدامنی کو مٹانے کے لئے آیا۔ اس نے اس بدامنی کے مقابلہ پر اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور کہا کہ مجھے قبول کرو۔ کیونکہ میں امن ہوں۔ میں سلامتی ہوں۔ میں صلح ہوں۔ میں اطمینان ہوں۔ میں راحت ہوں۔ بدامنی کفر ہے۔ امن چاہتے ہو تو کفر کو مٹا ڈالو۔ اس لئے کہ کفر ہی اسلام کی ضد ہے۔ عزیزانِ وطن! اصطلاحی کفر کے علاوہ ایک اور کفر بھی ہے۔ وہ بھی سن لو۔ زناکاری کفر ہے۔ زناکاری کو مٹا ڈالنا اسلام ہے۔ اغلام کفر ہے۔ اغلام کو مٹا ڈالنا اسلام ہے۔ چوری کفر ہے۔ چوری کو مٹا ڈالنا اسلام ہے۔ شراب نوشی کفر ہے۔ شراب نوشی کو مٹا ڈالنا اسلام ہے۔ قمار بازی۔ بٹیر بازی۔ مرغبازی وغیرہ کفر ہے۔ ان کو مٹا ڈالنا اسلام ہے۔ دختر کشی کفر ہے۔ دختر کشی کو مٹا ڈالنا اسلام ہے۔ بت پرستی کفر ہے۔ بت پرستی کو مٹا ڈالنا اسلام ہے اہانتِ انبیاء و رسل کفر ہے۔ اس کو مٹا ڈالنا اسلام ہے۔ تکذیب کتب ربانی

کفر ہے۔ اس کو مٹاڈالنا اسلام ہے۔ قتل و غارت گری کفر ہے۔ ان کو مٹاڈالنا اسلام ہے۔ ریاکاری جلف و دعٰی کفر ہے۔ انکو مٹاڈالنا اسلام ہے۔

عزیزان وطن! اگر یہ چیزیں کفر نہ ہوتیں۔ تو اسلام ان کو مٹانے ڈالنے پر کیوں زور دیتا۔ جو شخص ان عیوب سے پاک ہو گیا ہے۔ اور جتنے درجہ تک پاک ہو گیا ہے اُتنے درجہ تک اس میں اسلام آ گیا ہے۔ اور جو شخص ان عیوب میں مبتلا ہے۔ اور جتنے درجہ تک مبتلا ہے۔ اسی حد تک وہ کفر میں پھنس رہا ہے اگر ایک کافر ان عیوب سے پاک ہو چکا ہے۔ یا جس حد تک ان عیوب سے پاک ہو گیا ہے۔ اسی حد تک اس میں اسلام آ گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر ایک مسلم ان عیوب میں پھنس گیا ہے۔ یا جتنے درجہ تک وہ ان عیوب کا شکار ہو چکا ہے۔ اسی حد تک وہ کفر میں مبتلا ہے۔ اگر اسلام کے معنی امن ہیں۔ تو اسلام کی ضد یعنی کفر کے معنی بدامنی کے سوا اور کیا کرو گے؟ مگر امن قائم کرنے یا قائم رکھنے کے لیے اُن قوانین کی تابعداری کی ضرورت ہے جو قیام امن کے لئے نافذ کئے گئے ہوں۔ اگر گھر کے اندر امن قائم رکھنا ہو۔ تو گھر والوں کو گھر کے قوانین کی پابندی ضروری ہو گی۔ محلہ شہر یا ملک میں قیام امن کے لئے محلہ شہر یا ملک کے قوانین کی پابندی لازمی ہے۔ اسلام کے معنے امن و سلامتی ہیں مگر یہ امن و سلامتی اُن قوانین کی پابندی کے ماتحت ہے جو گھر محلہ شہر ملک بلکہ تمام جہان میں قیام امن کے لئے ضروری ہیں۔ گھر محلہ شہر یا ملک کے بیدار مغز لوگ قیام امن کے لیے جو قوانین وضع کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ مگر ان قوانین کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور جب ان قوانین کو توڑا جاتا ہے۔ بدامنی پھیل جاتی ہے۔ قانون صحیح ہو یا غلط۔ مگر قانون کی شکست کا لازمی نتیجہ بدامنی ہے۔ اور اس وقت تک بدامنی ہے۔ جب تک کہ اس توڑے ہوئے قانون سے بہتر قانون کا نفاذ نہ ہو جائے۔

عزیزان وطن! جب ہمیں اپنے گھروں، محلوں اور شہروں میں قیام امن کے لئے برے بھلے قانون کی پابندی کی ضرورت رہتی ہے۔ تو اس کائنات

پابرہا نڈمیں امن قائم رکھنے کے لیۓ بھی ضابطہ یا قانون کی ضرورت تھی اور ضرورت ہے۔ اسی ضابطہ یا قانون کی فرمانبرداری کا نام اسلام ہے۔ جو شخص اس ضابطہ و قانون کا پابند و فرمانبردار ہے۔ وہ مسلم کہلاتا ہے۔ اور جو اس ضابطہ یا قانون کو توڑنے والا ہے یا منکر ہے۔ وہ کافر کہلاتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں قوانین مصدقہ کی فرمانبرداری کا نام اسلام ہے۔ اور قوانین مصدقہ کی نافرمانی کا نام کفر ہے۔ قوانین مصدقہ کی اطاعت امن و سلامتی کا ذریعہ ہے۔ اور قوانین مصدقہ کی تکذیب یا انکار بدامنی کا باعث ہے چونکہ اسلام امن اور سلامتی کا دوسرا نام ہے۔ اس لیۓ وہ کبھی اور کسی صورت میں قوانین مصدقہ کی تکذیب و انکار کی تعلیم نہیں دے سکتا۔ اسلام اس بات کا دعویٰ اور اعلان کرتا ہے کہ میں دنیا میں مکذّب کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ مصدّق کی حیثیت سے آیا ہوں۔ اسلام کی وہی کتاب قرآن مجید میں جابجا مُصَدِّقٌ لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ ان جملہ قوانین مصدقہ کی تعلیم اور انکی ترویج پر زور دیتا ہے۔ جو قرآن مجید سے قبل دنیا میں انسان کے خالق و مالک کی طرف سے نافذ کیۓ گۓ تھے۔ مگر جن کو سرکش و باغی انسان نے توڑ ڈالا۔ یا بھلا دیا۔ یا ان کی نافرمانی کی۔ اسلام پاک انسان کو پہلے اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہے۔ اس کے بعد اسکو آگے چلاتا ہے۔ جو شخص کہ شاگرد رشید کی طرح پچھلا سبق یاد کر کے آگے کی طرف بھی قدم اٹھاتا ہے۔ اسلام اس کا نام مسلم رکھتا ہے۔ مگر جو شخص نہ تو پچھلا سبق یاد کرنے کیلئے تیار ہو۔ نہ ہی آگے قدم اٹھانا پسند کرتا ہو۔ بلکہ پچھلے اور اگلے تمام قوانین کو مٹا ڈالنے پر تلا ہوا ہو۔ اسلام ایسے نافرمان کا نام کافر قرار دیتا ہے۔

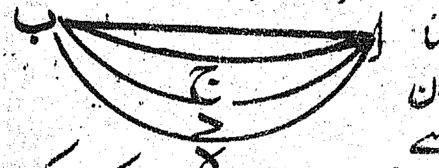
اسلام ہی صراطِ مستقیم ہے

عزیزانِ وطن! میں اس بات کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ تمہیں کفر و اسلام کے معانی و مطالب کے متعلق پیچیدگیوں میں ڈالا جائے۔ بلکہ میں تمہارے سامنے تمہارے حالات کے مطابق ایک شارٹ کٹ یا مختصر سے مختصر

راستہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ تم خود بھی اختصار پسند واقع ہوئے ہو۔ اسلام کی دینی کتاب قرآن مجید اس شارٹ کٹ کو صراطِ مستقیم کے نام سے پکارتا ہے۔ رب العزت نے اپنی اس کتاب میں ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔ کہ ہم اس سے ہر وقت یہی دُعا کرتے رہیں اھدنا الصراط المستقیم۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ سوال یہ ہے کہ ہمیں صراطِ مستقیم کی طلب پر کیوں زور دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ صراط مستقیم یا خط مستقیم وہ چھوٹے سے چھوٹا خط ہے۔ جو دو نقطوں کو ملاتا ہے۔ یا بہ الفاظِ دیگر دو نقطوں کو ملانے والا جو چھوٹے سے چھوٹا خط ہوگا وہی صراط مستقیم یا خط مستقیم ہوگا۔ اس خط مستقیم کے علاوہ جس قدر بھی دیگر خطوط ہوں گے۔ اگر وہ دونوں نقطوں کو ملانے والے ہوں گے۔ تو وہ ہر صورت میں خمدار اور لمبے ہوں گے۔ زیادہ توضیح کے لئے میں تمہارے سامنے الف اور ب دو نقطے لگاتا ہوں

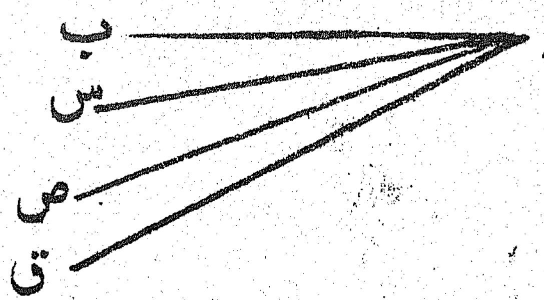
ب ا

اب میں ان دونوں نقطوں کو ایک خط کے ذریعہ ملاتا ہوں۔ جو کہ ا۔ ب ہے۔ اگر یہ خط سیدھا ہے۔ تو یہ اُن تمام دیگر خطوط سے جو ا اور ب کو ملانے والے ہونگے چھوٹے سے چھوٹا ہوگا۔ اگر یہ خط چھوٹے سے چھوٹا نہیں ہے۔ تو پھر یہ مستقیم یا سیدھا خط نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خط مستقیم کوئی دوسرا ہوگا۔ جس کی مجھے تلاش کرنی چاہیئے۔ مگر کیا ا۔ ج۔ ب یا ا۔ د۔ ب یا ا ۵ ب یا کوئی دوسرا خط جو ٹیڑھا ہو کر دونوں نقطوں



کو ملاتا ہے۔ خط مستقیم ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک خط ا ب سے لمبا بنا ہے یں ٹیڑھا ہے۔ لیکن اگر ان خطوط میں ٹیڑھا پن نہ ہو۔ بلکہ ان کو سیدھی لائن میں بڑھتے دیا جائے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ الف سے نکلنے والا ہر ایک خط دوسری طرف ب سے جا کر نہیں ملے گا بلکہ وہ ا۔ س۔ ا۔ ص۔ یا ا۔ ق۔ کی شکل میں نہ معلوم کہاں

سے کہاں نکل جائیں گے۔



یہ خطوط بے شک مستقیم تو ہوں گے۔ مگر چونکہ وہ ب کی سیدھ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ کسی صورت میں بھی ا کو ب سے ملانیوالے نہیں ہو سکتے۔ میں ان شکلوں سے یہ بات ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ دونوں نقطوں کو ملانے والا جو چھوٹے سے چھوٹا خط ہے۔ وہی خط مستقیم یا صراط مستقیم ہے یا دوسرے الفاظ میں خط مستقیم وہ چھوٹے سے چھوٹا خط ہے۔ جو دو نقطوں کو ملادے۔ آپ ذرا اس بات پر غور فرمائیں۔ کہ ہمارے سامنے دو نقطے ہیں ایک کا نام مذہبی اصطلاح میں ا ہے۔ جس سے مراد ہم اللہ تعالے لیتے ہیں۔ دوسرے نقطے کا نام ب ہے جس سے مراد ہم بندہ لیتے ہیں۔ یا ایک طرف عابد ہے۔ دوسری طرف معبود ہے۔ ایک طرف خالق ہے دوسری طرف مخلوق ہے۔ ایک طرف دنیا ہے۔ دوسری طرف عاقبت ہے۔ ہم بندگان خاکی کو رب العزۃ کے ساتھ ملانے والا جو آسان سے آسان اور چھوٹے سے چھوٹا راستہ یا خط ہے اسی کا نام صراط مستقیم ہے۔ اور وہ قطعاً سیدھا ہے۔ اس میں مطلق بل پیچ نہیں ہے۔ اسی صراط مستقیم کا نام اسلام ہے۔ اس کو ملت حنیف۔ ملت بیضا۔ دین قیم وغیرہ کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ مگر جس کثرت کے ساتھ اسلام کے لئے قرآن پاک میں صراط مستقیم کا لفظ آیا ہے۔ اس کثرت کے ساتھ دوسرے الفاظ نہیں آئے۔ اب آپ آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اسلام کا نام صراط مستقیم کیوں رکھا گیا؟ اس لئے کہ وہ دنیا بھر کے مذاہب میں سے سب سے سادہ۔ اور بندوں

کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ملا دینے کا سب سے آسان اور نہایت مختصر اور چھوٹے سے چھوٹا راستہ بتاتا ہے۔ جو ان تمام رسمیات یا الجھنوں سے قطعاً پاک ہے بلکہ جو دیگر مذاہب میں بلاواسطہ یا بالواسطہ داخل کر لی گئیں۔ یا داخل ہو گئیں۔ اس میں نہ چھوت چھات کا پیچ ہے۔ نہ ذات پات کا اڑنگا۔ نہ کفارہ کا ختم ہے۔ نہ تثلیث کا معما۔ نہ جسم سے تعلق رکھنے والے کسی قسم کے کنکار، سنکار یا مرکار کی قیود ہیں۔ اس میں نہ کالے گورے کی تمیز ہے۔ نہ عربی و زنگی کا جھگڑا۔ بلکہ ایک نہایت سادہ اصول ہے۔ وہ یہ کہ ہمارا معبود و مسجود خدا واحد ولا شریک ہے۔ اور ہم سب اس کے بندے ہیں۔ ہمیں اسی کی پرستش کرنی چاہیئے۔ اور اس کے جملہ فرستادوں سے ان کا تعلق خواہ کسی ملک و قوم سے ہو محبت کرنی چاہیئے۔ تاکہ آپس کے تمام تفرقے مٹ جائیں۔ پیدائش یا خاندان کسی کی بزرگی و وجاہت کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔ تاوقتیکہ اعمال صالح نہ ہوں۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ نے تمام مذاہب کے نشیب و فراز کو قطعاً ہموار کر ڈالا۔ اس سے بڑھ کر سادہ اور آسان راستہ کیا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ا۔ب کو ملانے والا جو چھوٹے سے چھوٹا خط ہے۔ وہی صراط مستقیم یا خط مستقیم ہے۔ اور وہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دو نہیں ہو سکتے۔ ٹھیک اسی طرح بندوں کو رب العزۃ سے ملانے والا جو بھی چھوٹے سے چھوٹا یا آسان سے آسان خط یا صراط ہے۔ وہی مستقیم کہلا سکتا ہے۔ اور وہ کسی صورت میں بھی دو خطوط نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ ہر حالت میں ایک ہی اور فقط ایک ہی ہوگا۔ اسی لیے رب العزۃ نے اپنے کلام پاک میں اپنے بندوں کو اس حقیقت باہرہ سے خبردار کرنے کے لیے نہایت واضح الفاظ میں بتا دیا۔ کہ اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (الانعام ۱۹۶) میرا راستہ یہی صراط مستقیم ہے۔ پس اے انسانو! تم نے اسی صراط مستقیم پر چلتے رہنا۔ اس لیے کہ یہ چھوٹے سے چھوٹا اور آسان سے آسان راستہ ہے جو مجھ تک پہنچاتا ہے۔ دیکھنا خبردار رہنا۔ اس صراط مستقیم کو چھوڑ کر دوسرے خطوط یا راستوں پر مت چلنا

اس لئے کہ وہ خدار پیچ دار اور لمبے ہیں۔ اور وہ تم کو صراطِ مستقیم سے بہت دور
لیجا پھینکیں گے۔ اور تم تتر بتر ہو جاؤ گے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو
تاکہ تم تشتت و انشقاق سے بچ جاؤ۔ رب العزّت کے اس کلام کے مطالعہ
سے جس میں ایک بڑے بھاری اصول پہ برقی روشنی ڈالی گئی ہے سلیم الفطرت
انسان پہ وجدانی کیفیت طاری ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ذرا غور تو کرو
ہم سب کے سب اپنی اپنی عقل و فکر کے مطابق ایک ہی نقطہ مثلاً ا
سے مذہبی سفر شروع کرتے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک
صراط مستقیم پہ ہے۔ مگر جب ہم چند قدم چل نکلتے ہیں۔ تو ہم میں سے ایک
کا راستہ اس کی شکل میں۔ دوسرے کا اص کی شکل میں تیسرے کا اق
کی شکل میں نہ صرف ب سے دور ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ تمام خطوط ایکدوسرے
سے بھی الگ الگ اور دور دور پھٹنے جاتے ہیں۔ اور جس قدر ان خطوط کی
لمبائی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی قدر ان کا باہمی بُعد و دوری بھی زیادہ ہوتی
جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کا کسی ایک نقطہ پہ جا کر مل جانا قطعاً ناممکن
ہو جاتا ہے۔ اسی لئے رب العزّت نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ صراط مستقیم پہ
چلتے رہنا۔ کیونکہ وہ چھوٹے سے چھوٹا راستہ ہے۔ اور وہ صرف ایک ہی ہے
دوسرا ہو نہیں سکتا۔ جب صراط مستقیم ایک ہے۔ تو پھر اُس پہ چلنے والوں
میں تفریق نہیں ہو سکتی۔ جسقدر باہمی تفریق ہے۔ اُسی قدر صراط مستقیم
سے دوری و مہجوری ہے۔ ہم خواہ ہندو ہوں۔ خواہ مسلمان۔ سکھ ہوں۔ خواہ
عیسائی۔ جینی ہوں۔ خواہ بُدھ۔ اگر ہم فرداً فرداً یا جماعت کی شکل میں ایک دوسرے
سے الگ تھلگ پڑے ہیں۔ ایک دوسرے پہ کفر و تکفیر کا فتویٰ لگا رہے ہیں۔
تو ہمیں فوراً خبردار ہو کر اس بات کا جائزہ لینا چاہیئے۔ کہ آخر یہ کھٹ پٹی کیوں
ہے۔ کھٹ پٹی تو صراط مستقیم سے بچل جانے کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کیا ہم صراطِ
مستقیم سے بچل تو نہیں گئے۔ آیا ہم خود صراط مستقیم سے ہٹ گئے ہیں۔
یا وہ جو ہمارے ساتھ تکرار رہے ہیں۔ وہ صراط مستقیم سے دور جا پڑے ہیں۔
اسلام اپنے اصول میں کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ وہ نہ مسلمانوں کو چھوڑتا

ہے۔ نہ غیر مسلموں کو۔ آج اگر مسلمان مذہب کے فروعی معاملات میں ایک دوسرے سے آپس میں اُلجھ رہے ہیں۔ تو قرآن پاک کا یہ اصول ان کی ہرگز کوئی رعایت نہیں کرے گا۔ اگر ہندوستان کے مختلف مذاہب کے ماننے والے وہ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ہوں۔ خواہ عیسائی ہوں یا سکھ ہوں۔ کسے باشند جو بھی مذہب کی بنا پر ایک دوسرے کی تکا بوٹی کرنے کے درپئے ہیں۔ وہ کسی صورت میں بھی اس اصول کی زد سے محفوظ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ قرآن پاک میں رب العزۃ نے جو تعلیم دی ہے۔ وہ کسی خاص قوم و ملک تک محدود نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ عالمگیر اصولوں کی تعلیم ہے۔ جو ہر ایک آب و ہوا میں یکساں اثر کرتی ہے۔ غور کرو۔ کہ آج ہر ایک مذہب اس بات کے درپے ہے۔ کہ دوسرے مذہب کی بیخکنی کردے۔ مگر کیا اسلام نے بھی یہی تعلیم دی ہے کہ دنیا بھر کے وہ تمام مذاہب جو خدا کی عبادت کرتے ہوں مٹا ڈالے جائیں یا ہٹ جائیں۔ میں نے عرض کر دیا ہے۔ کہ اسلام یہ تخریبی یا تکذیبی مشن لے کر دنیا میں نہیں آیا۔ وہ یہ نہیں کہتا۔ کہ یورپ کے مسئلہ ارتقا کے ماننے والوں کی طرح وہی زندہ رہ سکتا ہے۔ جو اپنے سے کمزوروں کو لقمہ بنا سکے۔ یا جو جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس کے اصول پر کاربند ہو۔ بلکہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ زبردست کمزوروں کی حفاظت کریں۔ خود زندہ رہتے ہوئے دوسروں کو زندہ رہنے کی اجازت دیں۔

اسلام کا مشن کیا ہے؟

یہی تو اسلام کی خوبی ہے۔ کہ وہ دیگر ادیان کی جملہ صداقتوں کی تصدیق کرتا ہوا۔ اُن کی طرف سرپرستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ وہ کسی صداقت کو اس لئے پامال نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ کسی غیر مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ صداقت کسی جگہ ہو۔ یا کسی قوم یا مذہب میں ہو۔ وہ اس کو اپنا بنا لیتا ہے۔ وہ اس بات کا مدعی ہے۔ کہ ہر ایک وہ کیڑا یا فاسد مادہ جو کسی بھی مذہب کی جڑ کو کھوکھلا کرتا ہے۔ دور کر دیا جائے۔ مگر مذہب کو اس کی اصلی حالت میں قائم رہنے دیا جائے اسلام مذہبی دنیا میں بطور معالج و ڈاکٹر کے آیا۔ تا کہ وہ ہر ایک مذہب کی

نبض پر ہاتھ رکھے۔ اور دیکھے کہ وہ مذہب کہاں تک شاہراہ صحت و تندرستی پر گامزن ہے۔ اور آیا اس میں کوئی ایسا نقص تو پیدا نہیں ہو گیا۔ جو اس کے اعتدال میں رخنہ انداز ہو۔ حقیقت تو یہی ہے۔ کہ اگر دنیا کے مذاہب کی نبض صحت و تندرستی کا ثبوت دے تو اسلام کو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی کسی قسم کی مخاصمت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ سمجھا جائیگا۔ کہ اسلام کا مشن پورا ہو گیا۔ اس لئے کہ اسلام دنیا سے مذہبی جھگڑوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ نہ کہ انہیں اضافہ کرنے کے لئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے۔ کہ مصوری پہاڑ کی چوٹی ان ٹیلوں سے سر بلند ہے۔ جو ڈیرہ دون کے نزدیک ہیں۔ مگر کیا ہم مصوری کی چوٹی کو سب سے اونچی چوٹی کہہ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم ان چوٹیوں پر چڑھتے جائیں۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ ہم اس چوٹی پر جا پہنچیں گے۔ جو سب سے اونچی ہے۔ جس کا نام گوری شنکر یا کوہ ایورسٹ ہے۔ وہ شخص جو گوری شنکر پر چڑھنے کا مشتاق ہے ان چھوٹی چوٹیوں کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ اور وہ یہ بھی کوشش نہیں کرے گا۔ کہ گوری شنکر کی چوٹی کو سب سے اونچا ثابت کرنے کے لئے وہ مصوری کو چھین چنگا۔ یا چکراتی کے پہاڑوں کو گرائے گوری شنکر کی عظمت تو اسی صورت میں رہ سکتی ہے۔ جب کہ اس کے ارد گرد مقابلتاً چھوٹی چوٹیاں بھی موجود ہوں۔ ہم کیوں کہتے ہیں کہ کوہ ایورسٹ سب سے اونچی چوٹی ہے۔ اس لئے کہ اس کے مقابلہ پر ہم چھوٹی چوٹیوں کو دیکھتے ہیں۔ اگر یہ چھوٹی چوٹیاں غائب کر دی جائیں تو کوہ ایورسٹ کو سب سے اونچا نہیں کہا جائے گا۔ ٹھیک اسی طرح جب اسلام دیگر ادیان سے اپنی سربلندی کا دعوےٰ کرتا ہے تو وہ دیگر ادیان کی ہستی کو مٹا ڈالنے کی خواہش نہیں کرتا ہے۔ بلکہ وہ اُن کی ہستی کو تسلیم کرتا ہوا۔ بطور مصدق و محافظ کے ان کے جملہ اوصاف حسنہ کی سرپرستی کرتا ہے۔ جو دیگر ادیان کی کتابوں یا

یا شخصیتوں میں موجود ہوں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اسلام دیگر جملہ مذاہب سے اچھا مذہب ہے۔ تو اس سے ہمارا یہ مدعا نہیں ہوتا۔ کہ دیگر مذاہب خراب ہیں۔ اس لئے کہ گوری شنکر کی چوٹی اپنی سربلندی کے دعویٰ کے ساتھ ساتھ یہ اعلان نہیں کر سکتی۔ کہ صرف وہی ایک بلند چوٹی ہے۔ اور کہ دیگر چوٹیاں تمام محض چٹیل میدان ہیں۔ ہاں یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہمالیہ کی ہر ایک چوٹی کی بلندی گوری شنکر یا ایورسٹ کی بلندی میں شامل و موجود ہے۔ مگر ایورسٹ کی تیس ہزار فٹ کی بلندی دھولگری یا چہلاری کی پچیس چھبیس ہزار فٹ کی بلندی میں ختم نہیں کی جا سکتی۔ ٹھیک اسی طرح جب ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اسلام مذہبی دنیا میں بطور مصدق کے آیا ہے۔ تو اس سے ہماری مراد یہی ہوتی ہے۔ کہ دنیا کے ہر ایک مذہب میں جس قدر بھی صداقتیں یا ارشادات ربانی موجود ہیں۔ یا موجود تھے۔ وہ سب کے سب یکجا اسلام میں جمع ہیں۔ لیکن جس قدر صداقتوں کا لامتناہی ذخیرہ اسلام پاک کے وجود باجود میں موجود ہے۔ دنیا کا دوسرا کوئی مذہب ان جملہ صداقتوں کا امین و حامل نہیں ہے۔ اگر اسلام کی جملہ صداقتیں کسی دوسرے مذہب میں بھی موجود ہوں۔ تو پھر ہم اس مذہب کا نام کوئی دوسرا نہیں بلکہ اسلام اور عین اسلام ہی رکھیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر دنیا کے جملہ مذاہب کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ ان جملہ صداقتوں کے حامل و امین ہیں۔ جو اسلام پاک پیش کرتا ہے۔ اور وہ اپنے اس دعویٰ کو پایہ ثبوت تک بھی پہنچا دیں۔ تو پھر ہم ان جملہ مذاہب کے متعلق یہی کہیں گے کہ وہ عین اسلام ہیں۔ اور کہ اب مذہب کا جھگڑا مٹ جانا چاہیے۔ مگر کہاں فی الحقیقت دنیا کا ہر ایک مذہب یا کوئی بھی مذہب

ان جملہ محاسن کا امین و حامل ہو سکتا ہے یا ہے۔ جو اسلام پاک پیش کرتا ہے۔ یہ سوال بظاہر مشکل ہے۔ مگر نہایت آسان ہے۔ اس لئے کہ ہم پہلا امتحان یا ٹسٹ کیس کے کسی ایک بھی صداقت کو لے کر اس بات کا وہ ٹک فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ آیا جو صداقتیں دیگر مذاہب پیش کر رہے ہیں۔ اُن سب کے مجموعہ سے بڑھ کر اسلام کوئی صداقت ایسی بھی پیش کرتا ہے۔ جو ان سب میں موجود نہ ہو۔ اگر وہ صداقت دیگر مذاہب میں موجود ہو۔ تو ہم انکو کھلی دعوت دیں گے۔ کہ وہ اس کو پیش کریں۔ لیکن اگر ان میں موجود نہ ہو۔ یا وہ پیش نہ کر سکیں۔ تو حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے۔ کہ وہ اس بات کو تسلیم کریں۔ کہ باوجود دیگر مذاہب کی موجودگی کے دنیا کو اسلام کی ضرورت تھی۔ اس لئے کہ دیگر مذاہب میں جن جن صداقتوں کی کمی تھی۔ اسلام نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ آؤ ذرا ہم اس بات پر غور تو کریں۔ کہ دنیا کی وہ کونسی اہم صداقتیں ہیں جو کسی بھی مذہب کی بُنیاد ہو سکتی ہیں۔ اور کیا ان صداقتوں میں کوئی صداقت ایسی بھی ہے جو کسی ملک یا قوم کی سیاسی آزادی حاصل کرنے کے راستے میں حائل ہو سکتی ہو۔

وہ نصب العین جو اتفاق و اتحاد کی بنیاد ہے

عزیزانِ وطن! اس قدر تمہید کے بعد اب میں تمہارے سامنے اسلام کے بُنیادی اُصولوں کو پیش کر کے تمہاری حق پسندی سے اپیل کرونگا۔ کہ تم ان پر غور کرو۔ اور سوچو کہ ہندوستان کی جملہ اقوام کو متفق و متحد کرنے کے لئے۔ ان اصولوں سے بہتر اصول کوئی نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس بات کے بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اتفاق و اتحاد کے لئے کوئی ایسا نصب العین ہونا ضروری ہے جس کے سامنے صرف یہی نہیں کہ ہمارے دل اور دماغ عاجزی کے ساتھ جُھک جائیں۔ بلکہ اس نصب العین

کو ملے کہ جب ہم قعرِ مذلت سے اوپر اُٹھنے کی جدوجہد کریں۔ تو ہم یہ محسوس کر سکیں۔ کہ ہم پہلے سے بہتر بنتے چلے جا رہے ہیں۔ اور کہ ہم پر ہمارے نصب العین کا رنگ اس قدر غالب آتا چلا جا رہا ہے کہ اس رنگ کے سامنے رنگ و نسل اور ذات پات کے جملہ رنگ ماند پڑ جاتے ہیں۔ عزیزانِ وطن! اب ذرا اس بات پر غور فرمائیں۔ کہ ہمارا ایسا نصب العین جو ہمارے جملہ تفرقات و مناقشات کو مٹا ڈالنے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ کیا ہو سکتا ہے؟

کیا ہم پیپل کے پتے کو یا گائے کے سینگ کو یا کسی رنگ دار پتھر کو یا کسی دریا یا پہاڑ کو ایسا نصب العین قرار دے کر متفق و متحد ہو سکتے یا ترقی کر سکتے ہیں۔ اگر ہماری ترقی کا معیار کسی شجر و حجر یا کوہ و بقر کے رنگ میں ہی رنگے جانا ہو۔ تو ہم ترقی تو ایک طرف شرف انسانی سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ اسلام پاک نے ان چیزوں کو انسان سے نہایت نچلا درجہ دیا ہے۔ جو چیز ہم سے نچلے درجہ پر ہو۔ ظاہر ہے۔ کہ اس کو اپنا نصب العین بنا کر ہم ترقی نہیں بلکہ تنزل کی طرف جائیں گے۔ اگر ہم جمادات سے تعلق رکھنے والے کسی رنگ دار پتھر کو یا نباتات سے تعلق رکھنے والے کسی شاندار درخت کو یا حیوانات سے تعلق رکھنے والے کسی سینگ دار جانور کو اپنا نصب العین بنا کر اپنے آپ کو اس رنگ میں رنگنے کی جدوجہد کرتے ہوئے اس میں کامیاب بھی ہو جائیں۔ تو اس کا آخری نتیجہ یہی نکل سکتا ہے۔ کہ ہم یا تو پتھر بن جائیں یا جس درخت کو ہم نے اپنا معبود بنایا ہے۔ اُس درخت کی شکل میں تبدیل ہو جائیں۔ یا کسی حیوان کی پرستش کرتے کرتے خود حیوان بن جائیں۔ مگر کیا انسان کا انسانی شرف سے محروم ہو کر پتھر یا درخت یا حیوان بن جانا یا بننے کی کوشش یا خواہش کرنا کسی صورت میں بھی قابلِ تعریف ہو سکتا ہے؟ اور پھر اگر ہمارے سامنے ایک کی بجائے زیادہ نصب العین ہوں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے

سے مختلف ہو۔ تو کیا اس صورت میں ہم میں اتفاق و اتحاد ہو سکتا ہے۔ ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ اسی لیے اسلام پاک بنی نوع انسان کے سامنے ایک ایسا نصب العین پیش کرتا ہے۔ جو صرف یہی نہیں کہ واحد ہے۔ بلکہ اس واحد نصب العین کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ اگر ہم اپنے آپ کو اس کے رنگ میں رنگنا چاہیں۔ تو ہم قعر مذلت سے نکل کر معراج ترقی پر پہنچ سکتے ہیں۔ اسلام پاک نے اس نصب العین کو خالق ارض و سما کے نام سے پکارا ہے۔ اسی نصب العین کی طرف اسلام پاک نے بنی نوع انسان کو بدیں الفاظ تعلیم دی ہے۔ کہ جب ہمارا و تمھارا خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ تو پھر تم اس ایک کے پرستار ہو کر آپس میں کیوں سر پھٹول کرتے ہو۔ ایک دوسرے کو برا بھلا کیوں کہتے ہو۔ الگ الگ ٹکڑیاں کیوں بنائے بیٹھے ہو۔ جب تم نے اسی ایک خدا کی پرستش کرنی ہے۔ تو پھر کس کا گرجا۔ کس کا مندر۔ کس کا صومعہ۔ کس کی مسجد۔ آؤ ہم سب ایک ہی جگہ مل کر اسی وحدہٗ لاشریک کے سامنے سر نیاز خم کر دیں۔ جب ہم نے اس کے سوائے کسی دوسرے کی پوجا ہی نہیں کرنی ہے۔ تو پھر یہ الگ الگ گرجا و مندر و مسجد کے جھگڑے کیسے؟ یہ جھگڑے تو اسی صورت میں ہو سکتے ہیں۔ جب کہ تم نے وحدہٗ لاشریک کی بجائے کسی دوسرے کی پرستش کرنی ہو۔ مگر جب تم اصولاً اس بات کو تسلیم کرتے ہو۔ کہ خدا ایک ہے۔ اور اُسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ تو پھر یہ تمام جھگڑے مٹ جانے چاہئیں۔ اسی نصب العین کی طرف اسلام پاک نے دُنیا کو دعوت دی ہے۔ اس نے جملہ ادیان کے ماننے والوں کو اسی کی طرف بُلایا۔ چنانچہ اس نے اسی اتحاد و اتفاق کی خاطر ان میں سے ایک ایک کو

سمجھانا شروع کیا۔ اس نے پہلے یہودیوں کو مخاطب کیا۔
اور فرمایا کہ اے یہودیو! تم بھی مانتے ہو کہ خدا ایک ہے۔
اور ہم بھی مانتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔ آؤ ہم تم دونوں مل کر ایک
ہو جائیں۔ یہودیوں نے پوچھا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ اسلام
نے جواب دیا۔ کہ دیکھو جس چیز کو تم مذہب کہتے ہو۔ درحقیقت دنیا

مذہب کی اساس کیا ہے؟

میں اس سے زیادہ قیمتی اور پیاری
چیز انسان کے لئے کوئی نہیں ہے
انسان مذہب کی خاطر اپنے گھر بار
کو ترک کر دیتا ہے۔ ملک اور قوم
کو چھوڑ دیتا ہے۔ بیوی بچوں کو جواب دے دیتا ہے۔ یہاں تک
کہ جان جیسی پیاری چیز کو بھی وہ مذہب کی خاطر قربان کر
دیتا ہے۔ کیا تم نے غور کیا کہ جس مذہب کی خاطر انسان اپنی
گردن تک کٹوا دیتا ہے۔ آخر وہ ہے کیا چیز؟ دیکھو اگر تم غور
کرو گے تو تمہیں پتہ لگ جائے گا۔ کہ جس چیز کو مذہب کے نام
سے پکارا جاتا ہے۔ اس میں دو چیزیں نہایت بیش قیمت اور
واجب الاحترام ہیں۔ ایک شخصیت دوسرے اصول شخصیت
سے مراد وہ برگزیدہ و مقدس ہستی ہے۔ جس کو نبی یا رسول۔
ہادی، پیمبر۔ پیغمبر۔ رشی منی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔
اصول سے مراد وہ کتاب ہے۔ جو اس مذہب کے نزدیک
خدا کی طرف سے نازل شدہ سمجھی جاتی ہو۔ اگر تم کسی مذہب
کے ساتھ صلح کرنا چاہتے ہو۔ تو اس مذہب کی ان دونوں
چیزوں کی عزت کرو۔ یعنی اس کے نبیوں یا رسولوں یا رشیوں
منیوں کو اپنا سمجھو۔ اور ان کی کتب مقدسہ کو بشرطیکہ ان
میں کسی قسم کے فسق اور فجور اور کفر و شرک کی تعلیم
نہ دی گئی ہو۔ اپنی کتاب تسلیم کرو۔ اور اس کی عزت کرو۔

یہودیوں کے نام

جب تم کسی مذہب کی ان دو چیزوں پر قبضہ کر لوگے۔ تو سمجھ لو کہ تم نے اس مذہب پر قبضہ کر لیا۔ اسلام نے یہودیوں کے سامنے اس اصول کو پیش کیا۔ اور کہا کہ ہم چاہتے ہیں۔ کہ تمھارے نبیوں اور رسولوں اور ان کی کتب مقدسہ پر ایمان لائیں۔ اور تم کو اپنا بنا لیں۔ اور اپنے آپ کو تمھارا بنا دیں۔ یہودیوں نے اس پیغام کو سنا۔ اور خوش ہو گئے کہ بہت اچھا سودا ہے۔ یہودی پوچھتے ہیں۔ کیا تم توریت اور زبور پر ایمان لاتے ہو۔ مسلمان کہتا ہے۔ کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ یہودی پوچھتے ہیں۔ کیا تم موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان لاتے ہو۔ مسلمان کہتا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام ہی نہیں۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر ملاکی نبی تک تمھارے جس قدر بھی انبیاء و رسل ہوئے ہیں۔ ہم سب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہودیوں کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ وہ مسلمانوں سے بغلگیر ہونے کے لئے دوڑتے ہیں۔ مگر مسلمان جواب دیتے ہیں۔ بغلگیر ہونے سے پیشتر ذرا ایک بات اور سُن لو۔ کہ ہم موسیٰ علیہ السلام سے لے کر ملاکی نبی تک تمھارے تمام انبیاء و رسل پر ایمان لانے کے علاوہ ہم جناب مسیح علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ خدا کے برگزیدہ نبی تھے۔ اور وہ خدا کی طرف سے تھے۔ مسیح علیہ السلام کا نام سُن کر یہودیوں کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ اور وہ چلا اُٹھتے ہیں۔ کہ کیا تم اس مسیح کو بھی خدا کا نبی مانتے ہو۔ جس کو ہمارے باپ دادوں نے کاٹھ پر لٹکا کر لعنت کی موت مار دیا تھا۔ کیا تم اس

مسیح کو خدا کا نبی مانتے ہو۔ جس کے منھ پر ہمارے باپ دادوں نے تھوک دیا تھا۔ کیا تم اس مسیح کو برگزیدہ مانتے ہو۔ جس کے سر پر ہمارے باپ دادوں نے کانٹوں کا تاج رکھا تھا۔ کیا تم اس مسیح کو مانتے ہو۔ جس کے منھ پر ہمارے باپ دادوں نے طمانچے مارے تھے۔ کیا تم اُس مسیح کو مانتے ہو جس کے متعلق پیلاطوس نے ہمارے باپ دادوں سے کہا تھا۔ کہ تم دونوں میں سے کسکو چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر چھوڑ دوں۔ آیا برابا ڈاکو کو۔ یا مسیح کو؟ ہمارے باپ دادوں نے جواب دیا تھا کہ برابا ڈاکو کو چھوڑ دو۔ مگر مسیح کو صلیب پر لٹکا دو۔ کیا جس مسیح کو ہمارے باپ دادوں نے ڈاکو سے بھی برا سمجھا تھا۔ تم اس مسیح کو خدا کا نبی مانتے ہو۔ اوہو! ہم نے تو سمجھا تھا کہ تم کوئی شریف آدمی ہو۔ مگر تمہارے اس بیان سے کہ تم مسیح کو بھی خدا کا نبی مانتے ہو۔ ہمیں پتہ لگ گیا کہ تم بھی جھوٹے۔ تمہارا مذہب بھی جھوٹا۔ تمھاری کتاب بھی جھوٹی اور تمہارا نبی بھی جھوٹا۔ جاؤ دور ہو جاؤ۔ ہم ایسے مذہب کو جو مسیح کو ماننے کی تعلیم دیتا ہو۔ کبھی سچا نہیں سمجھ سکتے۔ اور نہ ہی تمہارے رسول یا تمہاری ایسی کتاب کو جس میں مسیح کی تعریف کی گئی ہو سچا تسلیم کر سکتے ہیں۔ مسلمان دیکھتے ہیں۔ کہ اگر وہ مسیح علیہ السلام کا انکار کریں۔ تو یہودی ان کو سر آنکھوں پر بٹھانے کے لئے تیار ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ یہودیوں کی دوستی کو حاصل کرنے کے لئے اگر مسیح کی نبوت سے ہم انکار کر دیں۔ تو اس میں کیا برا ہے؟ اس لئے کہ مسیح عیسائیوں کا تھا۔ نہ کہ ہمارا مگر قرآن پاک کی طرف سے ایک زبردست عتاب نامہ آتا ہے۔ کہ اے مسلمانو! خبردار! اگر تم نے یہودیوں کی خاطر مسیح علیہ السلام کی نبوت سے انکار کر دیا۔ یا تم نے یہ سوچ کر کہ جب یہودی ہمارے نبی کو نہیں مانتے تو ہم اُن کے انبیا و رسل کو کیوں مانیں۔ مسیح علیہ السلام کی نبوت سے یا کسی ایک بھی یہودی نبی کی نبوت

سے انکار کر دیا تو تم فوراً کافر ہو جاؤ گے۔ جہنم کا ایندھن بن جاؤ گے۔ تمھاری نماز۔ تمھارے روزہ۔ تمہارا حج۔ تمہاری زکوۃ۔ تمہارا تقویٰ طہارت تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ یہودی تمہارے نبی کو خواہ ہزاروں گالیاں دیں۔ یہودی مسیح علیہ السلام کو اور اُن کی والدہ صدیقہ کو خواہ کتنا ہی برا بھلا کہیں۔ مگر دیکھنا کسی انتقام کے جذبہ سے متاثر ہو کر تم نے کسی یہودی نبی کی نبوت سے انکار نہ کر بیٹھنا اگر تم نے ایسا کر دیا تو کافر ہو جاؤ گے۔ اور جہنم میں جاؤ گے۔ اسلام نے ایک مومن مسلم کی گردن پر کس قدر بھاری بوجھ رکھ دیا ہے۔ دشمنان اسلام اس کے نبی معصوم کی نبوت سے منکر ہیں۔ اس کو برا بھلا کہتے ہیں۔ مفتری کہتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ مگر ایک مومن مسلم باوجود ان دل آزاریوں کے اپنے دشمنوں کے نبیوں اور رسولوں کا کلمہ پڑھنے سے باز نہیں آتا۔ اور وہ یہی کہتا چلا جا رہا ہے۔ اے یہودیو تم میرے نبی کو جس قدر برا بھلا چاہو کہہ لو۔ تم مسیح علیہ السلام کو جسقدر چاہو بدنام کر لو۔ مگر مجھے میرے اللہ نے یہ اجازت نہیں دی۔ کہ میں انتقام کے جذبہ سے متحرک ہو کر تمھارے کسی بھی نبی کو برا بھلا تو ایک طرف اتنا بھی کہہ دوں کہ وہ نبی نہیں تھا۔ یہ کیسا روح فرسا نظارہ ہے۔ کہ ایک مسلم یہودیوں کے انبیاء و رسل کا کلمہ پڑھتا ہو۔ اور ان کی کتب مقدسہ پر ایمان لاتا ہوا۔ یہودیوں کے پاس اتفاق و اتحاد کا پیغام لے کر جاتا ہے۔ مگر یہودی اس کو محض اس لئے ٹھکرا دیتے ہیں۔ کہ وہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا برگزیدہ نبی کہتا ہے۔ خداوند قدوس کی امانت کا حامل خدا کا یہ مومن بندہ یہودیوں کی طرف سے مایوس ہو کر عیسائیوں کے پاس جاتا ہے۔ اور اُن کو اپنی داستان سناتا ہے۔ کہ میں یہودیوں کے پاس یہ پیغام لیکر گیا تھا کہ ہم اور وہ دونوں مل کر خداوند قدوس کی پرستش کریں۔ اور ہم یہودیوں کے انبیاء و رسل پر ایمان لاتے ہیں۔ یہودیوں نے میرے پیغام کو خوشی سے سنا اور وہ بغلگیر ہونے کیلئے آگے بڑھے مگر جب

اُن کو پتہ لگا۔ کہ ہم مسیح علیہ السلام کو بھی خدا کا برگزیدہ نبی مانتے ہیں۔ تو وہ آگ بگولا ہو گئے۔ اور مسیح کی ذات پاک پر اور اُن کی والدہ صدیقہ پر مختلف الزامات لگانے لگے۔ میں ان کی طرف سے مایوس ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ ہم اس بات پر غور کریں۔ کہ یہودی ہمارے اور تمہارے دین کو۔ ہمارے نبی اور تمہارے مسیح کو یکساں برا بھلا کہتے ہیں تمہارے مسیح کو تو وہ اسلئے

مسیحیوں کے نام

بُرا کہتے ہیں کہ وہ درحقیقت یہودیوں کے نزدیک تھا ہی بُرا۔ جناب پادری صاحب! کیا یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم تم دونوں مل کر یہودیوں کا مقابلہ کریں۔ پادری صاحب اس بات کو بغور سنتے ہیں۔ اور وہ جواب دیتے ہیں۔ کہ یہودی درحقیقت ہمارے خداوند مسیح اور تمہارے نبی کے دشمن ہیں۔ پس کیا ہی اچھا ہو کہ ہم دونوں مل جائیں۔ پادری کہتا ہے کہ ہمارے نزدیک ہمارے آپس میں مل بیٹھنے کی بہترین صورت یہی ہے کہ تم مسیح پر ایمان لاؤ۔ مسلمان جواب دیتا ہے کہ مجھے یہ شرط منظور ہے۔ میں مسیح پر ایمان لاتا ہوں۔ بلکہ مسیح پر ایمان لانے کی بدولت ہی تو مجھے یہودیوں سے گالیاں سُننی پڑیں۔ ورنہ اگر یہ معاملہ نہ ہوتا تو یہودی مجھے آنکھوں پر بٹھانے کے لئے تیار رہتے۔ پادری صاحب خوش ہو جاتے ہیں۔ کہ بیٹھے بٹھائے ہی اُنکو عیسائیوں کی ایک بڑی بھاری تعداد مل گئی۔ مگر مسلمان نہایت عاجزی سے عرض کرتا ہے۔ جناب پادری صاحب ہم مسیح علیہ السلام پر اس لئے ایمان نہیں لائے۔ کہ آپ نے کہا ہے۔ بلکہ اس لئے ایمان لاتے ہیں کہ ہماری کتاب اور ہمارے نبی نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ مسیح خدا کا سچا نبی تھا۔ اور کہ یہودیوں نے ان پر اور اُن کی والدہ صدیقہ پر جسقدر الزامات لگائے ہیں وہ سب جھوٹ ہیں۔ جناب پادری صاحب کیا آپ کے نزدیک ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی تعلیم کہ یہودی جھوٹے تھے۔ اور مسیح سچا تھا مسیح کی والدہ صدیقہ پر یہودیوں نے جو گندے الزامات لگائے تھے وہ سراسر غلط تھے۔ مسیح کی یہودیوں نے جو بے ادبی کی تھی۔ یا اُن کو جو عذاب دیا تھا

یہ یہودیوں کی شرارت تھی۔ جناب پادری صاحب آپ ذرا فرمائیں تو سہی کیا ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی یہ تعلیم کہ مسیح سچّا تھا۔ درست ہے یا غلط؛ پادری صاحب جواب دیتے ہیں کہ آپ کے نبی اور آپ کی مذہبی کتاب کی یہ تعلیم کہ مسیح سچّا تھا بالکل درست ہے۔ اور سچّی ہے مسلمان عرض کرتا ہے۔ کہ جناب پادری صاحب! اگر ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی تعلیم درست اور سچّی ہے۔ تو آپ ہماری اس کتاب اور ہمارے نبیؐ پہ ایمان لا سکتے ہیں یا نہیں؟ پادری صاحب جواب دیتے ہیں کہ نہیں نہیں ہم تمہاری کتاب اور تمہارے نبی پر ایمان نہیں لا سکتے۔ اس لیے کہ ہمارے نزدیک وہ خدا کی طرف سے نہیں تھے اور سچے نہیں تھے۔ مگر مسلمان کہتا ہے۔ کہ جناب پادری صاحب جب ہم آپ کی مذہبی کتاب پر اور آپ کے انبیاء و رسل پر ایمان لاتے ہیں۔ اور مسیح علیہ السلام کی خاطر ہم یہودیوں کے طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے جاتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں آپ اپنے دل کو اتنا بھی وسیع نہیں کر سکتے۔ کہ اس میں ہماری کتاب اور ہمارے نبی کے لیئے جگہ نکال لیں۔ تا کہ ہمارا اور آپ کا جھگڑا طے ہو جائے۔ پادری صاحب جواب دیتے ہیں۔ کہ تم تو ہمارے مسیح کی خاطر یہودیوں سے گالیاں کھاؤ۔ مگر ہم تمہارے نبی کے لیئے اپنے دل میں کوئی جگہ نہیں بنا سکتے۔ تم ہمارے مسیح کو سچّا مانو۔ مگر ہم تمہارے نبی کو سچّا مان ہی نہیں سکتے۔ فطرت انسانی اس بات کی مقتضی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص ہمارے نبی کو یا ہماری کتاب کو تسلیم نہ کرے تو ہم بھی اس کے نبی یا اُس کی کتاب کو تسلیم نہ کریں۔ مگر کیا ایک مومن مسلم کو اسلام نے اس انتقام کے جذبہ سے متحرک ہو کر اس بات کی اجازت دی ہے۔ کہ وہ محض اس خیال کو لے کر کہ چونکہ مسیحی ہمارے نبی پر ایمان نہیں لاتے تو مسلمان بھی مسیح علیہ السلام کا انکار کر دیں۔ قرآن پاک صاف طور پہ کہہ رہا ہے۔ کہ اگر تم مسیح علیہ السلام یا کسی بھی نبی کی نبوت و رسالت سے انکار کرتے ہو تو تم اُسی وقت کافر ہو جاتے ہو۔ اور تمہارے اعمال صالح خاک میں ملجاتے ہیں غور کا مقام ہے کہ جس مسیح کی خاطر ہم یہودیوں کے طعن و تشنیع کا نشانہ ہے جس مسیح

پر ایمان لانے کی بدولت یہودیوں نے ہمارے نبی کو ماننے سے انکار کر دیا جس مسیح کی محبت کی خاطر ہم نے یہودیوں کی دوستی کو ہاتھ سے کھو دیا۔ آج اسی مسیح کے نام لیواؤں کی یہ حالت ہے۔ کہ وہ اپنے دلوں کے دروازہ کو ہمارے نبی پاک کے برخلاف بند کئے بیٹھے ہیں۔ اور ان میں اتنا بھی انصاف نہیں ہے۔ کہ وہ کم از کم مسیح کے ان الفاظ پر ہی عمل کریں۔ کہ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم چاہتے ہو۔ کہ تمہارے ساتھ کیا جائے۔ اس لئے کہ جس پیمانے سے تم دوسروں کو ناپو گے۔ اسی سے تم بھی ناپے جاؤ گے۔ اگر مسیحی چاہتے ہیں۔ کہ ہم مسیح علیہ السلام کی خاطر تکالیف برداشت کریں۔ تو مسیحیوں کا بھی تو فرض ہے۔ کہ وہ ہمارے نبی کریم کو سچا نبی تسلیم کر کے انکو اپنے گوشۂ دل میں جگہ دیں ہمارے بزرگوں نے مسیح علیہ السلام کی خاطر یہودیوں کی بدسلوکیاں برداشت کیں۔ خود ہندوستان کے اندر کئی دفعہ مسلمانوں پر مسیح علیہ السلام کی خاطر مصیبت نازل ہوئی۔ چند سال کا ذکر ہے کہ ایک آریہ سماجی نے مسیح علیہ السلام اور انکی والدہ صدیقہ کی شان میں نہایت ناشائستہ الفاظ سے لبریز ایک چھوٹا سا ٹریکٹ شائع کیا۔ اس ٹریکٹ کا نکلنا تھا۔ کہ مسلمانوں میں آگ لگ گئی۔ مگر مسلمان منتظر تھے کہ مسیحی لوگ اس ٹریکٹ کے برخلاف کوئی کارروائی کریں۔ لیکن مسیحیوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اور وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ آخر آگرہ اور دہلی کے مسلمانوں نے اس ٹریکٹ کے لکھنے والے کے برخلاف فوجداری مقدمہ دائر کر دیا۔ مسلمانوں کا ہزاروں روپیہ اس مقدمہ پر لگ گیا۔ اور انھوں نے مسیح علیہ السلام کی خاطر اپنی جان تک لڑا دی۔ اور جبتک کہ اس ٹریکٹ کے شائع کرنے والے کو سزا نہ دلوا دی۔ مسلمانوں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا؟ آخر یہ کیوں کیا گیا؟ کیا مسلمان یہ نہیں کہ سکتے تھے۔ کہ جب مسیح پر ایمان رکھنے والے مسیحی لوگ خاموش ہیں۔ تو مسلمان مسیح کی عزت کی خاطر آگے کیوں بڑھیں؟ مگر نہیں مسلمانوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ یہ عیسائیوں پر حملہ ہے۔ یا یہ عیسائیوں کے مسیح پر حملہ ہے۔ بلکہ ان کا ایمان ہے کہ یہ مسیح پر ہی حملہ نہیں۔ بلکہ اسلام پاک پر بھی حملہ ہے۔ اسلئے کہ مسیح علیہ السلام اسلام پاک کے اولوالعزم انبیاء و رسل میں سے ہیں

جو مسیح کا دشمن ہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ اور ایسے دشمن کے برخلاف مسلمان مال و جان سے دریغ کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ انھوں نے دریغ نہیں کیا۔ مگر کیا تم نے کبھی کسی جگہ دیکھا یا سنا۔ یا پڑھا کہ کسی دشمن اسلام نے نبی معصوم علیہ السلام کی ذات پر حملہ کیا۔ اور کسی جگہ کے مسیحیوں نے اس بات کا ثبوت دیا۔ کہ رسول عربی کی ذات پر جو حملہ کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ اور کہ مسیحی اس کا تحریری۔ تقریری یا کسی دوسری شکل میں جواب دیں گے؟ غالباً تم نے ایسا کہیں بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ اس کے برعکس تم مسیحی مناؤوں اور مسیحی مصنفوں کی اس قسم کی درجنوں کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہو جن میں ہمارے رسول پاک کی ذات مبارک پر ایسے ایسے حملے کئے گئے ہیں۔ کہ جن کا یہاں پر ذکر کرنا ہی نامناسب سمجھتا ہوں۔ امر واقعہ تو یہ ہے۔ کہ اسلام نے مسیحیت پر اس قدر احسان کیا ہے۔ کہ مسیحی دنیا تاقیامت اس کے بوجھ سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ مجھے اس احسان کے متعلق ایک واقعہ یاد آگیا جب میں پہلے پہل لودیانہ میں پہنچا تھا۔ تو میرے پاس ایک دن ایک پادری صاحب تشریف لائے۔ اور علیک سلیک کے بعد کہنے لگے کہو استاد اب کدھر جانے کا ارادہ ہے ما اسلام کو تم نے چھوڑا۔ آریہ سماج سے بھی تم الگ ہو گئے۔ اب تو تمہارے لئے سوائے مسیحی گھر کے دوسرا کوئی دروازہ نہیں ہے جس کو تم کھٹکھٹا سکو۔ اور وہ تم پر کھول جائے۔ پھر اب تمہیں مسیحی بننے میں کیا عذر ہے؟ میں نے پادری

ایک مسیحی سے مکالمہ

صاحب کو جواب دیا۔ کہ جب میرا اپنا گھر موجود ہو تو مجھے کسی دوسرے کا دروازہ کھٹکھٹانے کی کیا ضرورت ہے۔ پادری صاحب بولے۔ تمہارا اپنا گھر اب کونسا ہے میں نے جواب دیا۔ اسلام پاک میرا گھر ہے۔ اور میں اس میں آرام سے بیٹھا ہوں۔ پادری صاحب جھنجھلا کر بولے۔ کہ کیا کبھی ممکن ہے۔ کہ جن مسلمانوں کے برخلاف تم نے اس قدر کتابیں لکھی ہیں۔ اور جس اسلام کو تم نے اسقدر بدنام کیا ہے۔ وہ اب تم کو نئے سرے سے اپنے گھر میں آنے کی اجازت دیں گے۔ یا تمہاری عزت کریں گے؟ میں نے جواب دیا۔ کہ جس صورت میں مسیح علیہ السلام اپنے

شاگردوں کے سامنے گھر سے روٹھ کر نکل جانے والے بیٹے کی کہانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ جب وہ روٹھا ہوا بیٹا دوبارہ اپنے باپ کے گھر میں واپس آتا ہے۔ تو باپ اُس کو آتے دیکھکر دس قدم آگے بڑھ کر بغلگیر ہوتا ہے خوشی مناتا ہے۔ اُس کی آمد پر پلا ہوا بیل ذبح کرتا ہے۔ اور اس خوشی میں جشن مناتا ہے۔ کہ اُس کا کھویا ہوا بیٹا اُسے دوبارہ مل گیا۔ نہ صرف یہی بلکہ مسیح نے تو ایک کھوئی ہوئی بھیڑ کی کہانی بیان کی ہے۔ کہ اگر کسی کے پاس سو بھیڑیں ہوں۔ اور اُن میں سے ایک گم ہو جائے تو وہ ننانوے بھیڑوں کو چھوڑ کر پہلے کھوئی ہوئی بھیڑ کو تلاش کریگا۔ اور جب اس کو وہ مل جاتی ہے۔ تو وہ کس قدر خوش ہوتا ہے جناب پادری صاحب! مسیح علیہ السلام اور مسیحی تو ننانوے بھیڑوں کے ریوڑ کی پرواہ نہ کر کے پہلے کھوئی ہوئی بھیڑ کی تلاش میں نکلیں۔ اور مسلمان اپنے گمشدہ تعلیم یافتہ اور قابل فرزند کی تلاش نہ کریں! اور خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ رہیں۔ یا اگر وہ گمشدہ فرزند اپنے گھر میں واپس آنا چاہے۔ تو اس پر اپنے گھر کا دروازہ بند کریں یہ نا ممکن ہے۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ جس دن سے میں گم ہو گیا تھا۔ اُسی دن سے مسلمانوں نے میری خاطر زمین آسمان ایک کر چھوڑا تھا۔ اور اُنھوں نے یہ عزم مصمم کر لیا تھا۔ کہ جب تک وہ مجھے پا نہیں لینگے نہ وہ خود چین سے بیٹھیں گے۔ نہ مجھے چین سے بیٹھنے دیں گے۔ اور امر واقعہ تو یہی ہے۔ کہ مسلمانوں نے مجھے آریہ سماج میں ایک دن بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ جو مسلمان مجھے واپس لینے کے لئے اس قدر پریشان ہو رہے تھے۔ کیا آپ خیال فرما سکتے ہیں۔ کہ وہ اسلام اور مسلمانوں میں میری واپسی پر آزردہ ہوں گے؟ اس پر پادری صاحب بولے۔ کہ اچھا یہ تو ہم نے مان لیا۔ کہ مسلمان تمہاری واپسی پر خوش ہو جائیں گے۔ مگر تم اسلام جیسے بیہودہ مذہب کو کیسے مان لو گے۔ ہمارے نزدیک تو اسلام سراسر فضول اور لغو مذہب ہے۔ اور تمھارے جیسے سمجھدار آدمی کا دوبارہ اس گڑھے میں گر جانا نہایت قابل افسوس امر ہے۔ میں نے نہایت بردباری سے کہا کہ جناب پادری صاحب! اگر اسلام بقول آپ کے سراسر فضول اور لغو مذہب

ہے۔ اور مسیحیت ہی سچا دین ہے۔ تو مجھے مسیحی بننے سے کوئی عار نہیں ہے مگر ذرا مہربانی کر کے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔ اگر آپ نے مجھے تسلی بخش جواب دیدیا۔ تو کیا حرج ہے میں مسیحی ہو جاؤں گا۔ پادری صاحب مسکرائے مگر ذرا گھبرائے بھی۔ کہ خدا معلوم۔ یہ مجھ سے کیا سوال کرے گا۔ میں نے پادری صاحب کی تسلی کے لئے کہا۔ کہ آپ اطمینان فرمائیں۔ میں آپ سے کوئی فلسفہ کا پیچیدہ سوال نہیں کروں گا۔ میں آپ سے تثلیت کے گورکھ دھندے۔ یا کفارہ کی فلاسفی۔ یا مسیح کی الوہیت وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں پوچھوں گا۔ بلکہ میرا سوال بالکل سادہ ہے۔ پادری صاحب فرمانے لگے۔ ہاں ہاں آپ پوچھئے میں جواب دینے کی کوشش کرونگا۔ میں نے کہا۔ تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے۔ کہ آپ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بنائے گئے ہیں۔ آپ کرسئی عدالت پر بیٹھے ہیں۔ کہ اتنے میں آپ کے سامنے ایک ملزم لایا جاتا ہے۔ ملزم کے برخلاف استغاثہ یہ ہے۔ کہ وہ ایک باغی ہے۔ گورنمنٹ کا خطرناک دشمن ہے۔ لوگوں کو بہکاتا ہے۔ ڈاکو سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس کا چال چلن استغاثہ کے بیان کے مطابق مشتبہ ہے۔ آپ استغاثہ کو سن لیتے ہیں۔ سرسری شہادت بھی قلمبند کر لیتے ہیں۔ ملزم سے آپ پوچھتے ہیں۔ کہ تم پر جو الزامات لگائے گئے ہیں۔ وہ سچ ہیں۔ یا جھوٹ۔ ملزم کچھ جواب نہیں دیتا آپ اس پر فرد جرم لگا کر اس کو موقع دیتے ہیں۔ کہ صفائی کے گواہ پیش کرے جب ملزم صفائی کے گواہوں کی طرف دیکھتا ہے۔ جو اس نے پیش کرنے تھے تو وہ سب رفوچکر ہو جاتے ہیں۔ ملزم حیران ہے۔ وہ خدا سے دعا کرتا ہے۔ کہ اے میرے باپ تو میری مدد کر۔ اس کی یہ دعا قبول ہوتی ہے۔ وہ

مسیح علیہ السلام کی بریّت

وہ کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک فرشتہ سیرت انسان جس کا چہرہ نہایت پر جلال اور نورانی ہے عدالت میں آتا ہے۔ اور شہادت دیتا ہے۔ کہ یہ شخص جو عدالت میں ملزم کے طور پر کھڑا ہے میں اسکو جانتا ہوں۔ اس کی ذات پر جس قدر الزامات لگائے گئے ہیں۔ وہ بالکل

جھوٹ اور بے بنیاد ہیں۔ یہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے۔ بلکہ خدا کا سچا
نبی ہے۔ الزام لگانے والے جھوٹے اور بے ایمان ہیں۔ شریر و مفسد ہیں
جناب پادری صاحب! آپ اس گواہ کی شہادت قلمبند کر لیتے ہیں۔
اتنے میں ملزم کی بریت کے لئے ایک تحریری شہادت پیش کی جاتی ہے
جس میں ملزم کے متعلق یہ لکھا ہوا ہے وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ یعنی جو شخص اس وقت عدالت میں بطور ملزم کے کھڑا ہے
وہ خدا کا برگزیدہ نبی ہے۔ خدا کے ہاں اس کا مرتبہ نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت
میں بھی نہایت اعلیٰ ہے۔ وہ خدا کے مقربین خاص میں سے ہے۔ اس کی
ذات پر جس قدر الزامات لگائے گئے ہیں۔ وہ از سرتاپا جھوٹے ہیں جناب
پادری صاحب! آپ اس شہادت کو بھی قلمبند کر لیتے ہیں۔ اتنے میں ۴۰
کروڑ صفائی کے گواہوں کی لمبی چوڑی فہرست آپ کے ہاں داخل کی جاتی ہے
غالباً آپ صفائی کے گواہوں کی اتنی لمبی فہرست کو دیکھ کر گھبرا جائیں گے اور
سوچنے لگیں گے۔ کہ چالیس کروڑ گواہوں کی شہادت قلمبند کرتے کرتے میں تو
کیا میری کئی پشتیں ختم ہو جائیں گی۔ مگر نہیں آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں
ہے۔ ان ۴۰ کروڑ گواہوں کی شہادت صرف ایک فقرہ میں ختم ہو جاتی ہے۔
وہ یہ کہ جو شخص ملزم کے طور پر آپ کی عدالت میں کھڑا ہے۔ وہ خدا کا برگزیدہ بندہ
اور خدا کا نبی ہے۔ وہ راستباز ہے۔ نیک ہے۔ متقی ہے۔ اس کی ذات پاک
پر جو الزامات لگائے گئے ہیں۔ وہ سراسر جھوٹ ہیں۔ جناب پادری صاحب!
آپ چالیس کروڑ انسانوں کی اس شہادت کو بھی قلمبند کر لیتے ہیں۔ اور آپ
کو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ جس شخص کی بریت میں اس قدر زبردست شہادت
موجود ہو اس کو فوراً رہا کر دینا چاہئے۔ قریب ہے کہ آپ اس کو رہا کر دیں۔
اور آپ پیلاطوس کی طرح یہ فتویٰ دیدیں۔ کہ میں اس کا کوئی گناہ نہیں دیکھتا
کہ اتنے میں ملزم کا کونسل بول اٹھتا ہے۔ کہ جناب میں عدالت سے کچھ عرض
کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اس کو بولنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ملزم کا کونسل کہتا
ہے۔ کہ جناب والا! میرے ملزم کے حق میں یہ جس قدر بھی بریت کے گواہ گذرے ہیں

وہ سب جھوٹے اور ناقابلِ اعتبار ہیں۔ وہ نورانی صورت بزرگ جس نے میرے موکل کے حق میں شہادت دی۔ وہ بھی جھوٹا ہے۔ وہ جو تحریری دستاویز میرے موکل کے حق میں پیش کی گئی تھی۔ وہ بھی جھوٹی اور جعلی ہے۔ وہ جو چالیس کروڑ انسان میرے موکل کے حق میں شہادت دے رہے تھے۔ وہ بھی جھوٹے تھے۔ غرضیکہ میرے موکل کی طرف سے جس قدر بھی بریت کے گواہ پیش کئے گئے ہیں، یہ سب جھوٹے اور جعلی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی عدالت کی خدمت میں عرض کروں گا۔ کہ ان جھوٹے گواہوں کے علاوہ میرے موکل کی بریت کے لئے کوئی دوسرا گواہ بھی نہیں ہے۔ ان تمام حالات کو مدنظر رکھ کر میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ میرے موکل کو بری کر دے۔ جناب پادری صاحب! آپ ایک منصف مزاج مجسٹریٹ کی حیثیت میں اس ملزم کے متعلق جس پر آپ فردِ جرم لگا چکے ہیں، کیا فیصلہ صادر فرمائیں گے جبکہ آپ کو یہ بھی علم ہو چکا ہو کہ ملزم کا کونسل خود اقرار کرتا ہے۔ کہ ملزم کی بریت میں جس قدر گواہ بھگتائے گئے وہ سب جھوٹے۔ فرضی اور جعلی تھے۔ اور کہ ان گواہوں کے علاوہ ملزم کی بریت کرنے والا کوئی اور گواہ بھی نہیں ہے۔ اب آپ ذرا سوچ کر فرمائیں۔ کہ ملزم کے متعلق آپ کا کیا فیصلہ ہوگا۔ پادری صاحب بولے مگر آپ کی اس کہانی کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام اپنی باتوں کو کہانیوں کے ذریعہ ہی سمجھایا کرتے تھے۔ میری کہانی نہایت عام فہم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہودیوں کی طرف سے جناب مسیح علیہ السلام کی ذاتِ پاک پر مختلف قسم کے شرمناک الزامات لگائے گئے تھے۔ جن میں سے ایک یہ تھا۔ کہ وہ حکومت کا باغی ہے۔ یہودیوں کے کاہنوں نے پیلاطوس کی عدالت میں شکایت کی۔ حاکم نے مسیح کو پکڑنے کے لئے قاصد دوڑا دیئے۔ مسیح کو علم تھا کہ میری گرفتاری نزدیک ہے۔ وہ اپنے شاگردوں سے فرماتے ہیں۔ کہ میرا وقت نزدیک آ گیا ہے۔ تم نے گھبرانا مت۔ مسیح کا پیارا شاگرد شمعون پطرس بول اٹھتا ہے۔ کہ اے خداوند میں تیرے لئے جان دے دوں گا۔ مگر تیرا ساتھ نہیں چھوڑوں گا

مسیح اس سے کہتے ہیں کہ اے پطرس! میں تجھ سے سچ کہتا ہوں۔ کہ صبح مرغ کے بانگ دینے سے پیشتر تو تین دفعہ میرا انکار کرے گا۔ یہی بات چیت ہو رہی تھی۔ کہ اتنے میں مسیح کا ہی شاگرد یہودا اسکریوطی پیادوں کو ساتھ لئے کر مسیح کی گرفتاری کے لئے آ گیا۔ اُس نے پیادوں کو کہہ رکھا تھا۔ کہ جس کا میں بوسہ لوں گا وہی مسیح ہے۔ اس کو گرفتار کر لینا۔ چنانچہ یہودا اسکریوطی نے مسیح کے پاس آ کر کہا۔ کہ اے خداوند سلام اور اُس نے مسیح کا بوسہ لیا۔ پیادوں نے اُسی وقت مسیح کو گرفتار کر لیا۔ جب شاگردوں نے یہ دیکھا کہ مسیح گرفتار ہو گیا۔ تو وہ اُس کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مسیح کے حواری

مسیح کے ساتھ یہودیوں نے بہت برا سلوک کیا۔ اُس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا۔ اُس کے منہ پر تھوکا۔ اس کے چانٹے مارے۔ انہوں نے اس کے پیرہن کو چاک کر ڈالا۔ انھوں نے اس کو مجبور کیا۔ کہ جس لکڑی پر اُس کو پھانسی دینا تھا۔ وہ لکڑی کو بھی خود ہی اُٹھا کر مقتل میں لے جائے۔ جس پطرس نے ڈینگ ماری تھی۔ کہ اے خداوند میں تیرا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ وہ مرغ کے بانگ دینے سے پیشتر تین مرتبہ مسیح کا انکار کر چکا تھا۔ دنیا والوں کی بے وفائی کا یہ کیسا عبرتناک نظارہ ہے۔ خداوند قدوس کا ایک برگزیدہ نبی اور سچا پرستار صلیب پر لٹک رہا ہے۔ اُس کے کپڑے تک پھاڑ ڈالے گئے ہیں۔ اُس کے چہرے پر تھوکا جا رہا ہے۔ اس کے سر پر کانٹے رکھے جا رہے ہیں اُس کے منہ پر چانٹے مارے جا رہے ہیں۔ وہ پیاسا ہے۔ اُس کے ہونٹ خشک ہو رہے ہیں۔ مگر اس جان کنی کی حالت میں کوئی یار و غمگسار ایسا نہیں ہے۔ جو اس کے خشک ہونٹوں پر پانی کا قطرہ تک ٹپکا دے۔ اگر کوئی وہاں ہے۔ تو وہ لوگ ہیں۔ جو اس کے بدترین دشمن ہیں۔ جو اس پر مخول اُڑا رہے ہیں۔ کہ یہ مردوں کو زندہ کرتا تھا۔ اپنے آپ کو کیوں نہیں بچا لیتا۔ یہ تو ہیکل کو گرا کر تین دن میں بنانے کا دعویٰ کرتا تھا۔ یہ خود آج صلیب پر کیوں لٹک رہا ہے۔ یہ تو کہتا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ آج اس کا خدا

کہاں ہے ۔ وہ کیوں نہیں اپنے بیٹے کو پھانسی پر سے اتار لیتا۔ غرضیکہ اسی قسم کے دل آزار مخول اس پہ کئے جا رہے ہیں۔ آخر کار خدا کا یہ سچا نبی اور اس کا سچا پرستار ہو گا۔ پیاسا انجیل کے الفاظ میں ایلی ایلی لما سبقتانی کہتا ہوا اپنی روح کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہودی جشن مناتے ہیں۔ کہ اُنھوں نے اپنے دشمن کو مار لیا۔ مگر یہودیوں نے مسیح کو نہیں مارا تھا۔ بلکہ اُنھوں نے اپنے آپ کو خدا کی لعنت کا مستوجب بنا لیا اور یہودی دنیا میں ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو گئے۔ مسیح علیہ السلام کی ذات پاک پہ یہودیوں نے جو الزامات لگائے تھے۔ اور جن کی تردید کیلئے حاکم وقت کے سامنے مسیح کے شاگردوں تک میں سے کسی نے گواہی نہیں دی تھی۔ وہ عرصہ دراز تک مسیح پہ لگے رہے۔ آخر خداوند کریم کی غیرت کو جوش آیا۔ اور اُس نے یہودیوں کی شرارتوں کا قلع قمع کرنے کے لئے ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث کیا۔ جنھوں نے شہادت دی۔ کہ مسیح علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات پہ یہودیوں نے جو الزامات لگائے ہیں۔ وہ سراسر لغو۔ جھوٹ اور بے بنیاد ہیں۔ نہ صرف رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ شہادت دی۔ بلکہ قرآن کریم نے مسیح علیہ السلام وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ کہہ کر یہودیوں کے تمام الزامات سے بری قرار دیا۔ نہ صرف مسیح علیہ السلام کی ذات کی بریت کی بلکہ یہودیوں نے اپنی شرارت سے حضرت مریم صدیقہ مسیح علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی ذات عصمت مآب پہ جو ناپاک ترین الزام لگایا تھا۔ قرآن پاک نے اس بے بنیاد الزام کا بھی سر توڑ جواب دیتے ہوئے۔ حضرت مریم صدیقہ کی بریت کر دی۔ یہودیوں نے جو مشہور کر رکھا تھا۔ کہ اُنھوں نے مسیح کو صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا۔ قرآن پاک نے ان کی اس شرارت کا بھی بدیں الفاظ قلع قمع کر دیا۔ کہ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یعنی یہودی نہ تو اُس کو قتل کر سکے۔ اور نہ ہی اُس کو صلیب پہ کھینچا۔ بلکہ خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ مسیح علیہ السلام کو اُس کے دشمنوں کے

ناپاک منصوبوں سے نجات بخشی۔ اوران کے درجہ کو بلند کیا۔ یہودی کہتے تھے۔ کہ ہم نے مسیح کو لکڑی پر لٹکا کر لعنت کی موت مارا۔ مگر خداوند کریم نے یہودیوں کی اس بکواس اوران کی ایسی شرارتوں کی وجہ سے قرآن کریم میں ہمیشہ کے لیے ملعون قرار دیا۔ قرآن کریم کے علاوہ دنیا میں ۸۰ کروڑ ایسے مسلمان اس وقت موجود ہیں۔ جو صدق دل سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ مسیح خدا کا سچا نبی تھا۔ اور کہ مسیح کو برا بھلا کہنے والے یہودی جھوٹے تھے۔ جناب پادری صاحب نبی برحق حضرت محمدؐ رسول اللہ مسیح علیہ السلام کی بریت فرماتے ہیں۔ قرآن پاک مسیح علیہ السلام کے حق میں شہادت دیتا ہے۔ دنیا بھر کے ۸۰ کروڑ مسلمان مسیح علیہ السلام کی بریت کی شہادت دے رہے ہیں۔ مگر پادری صاحبان جو مسیح علیہ السلام کے کونسل کی حیثیت میں ہیں۔ یہ فرما رہے ہیں۔ کہ مسیح علیہ السلام کی بریت کی شہادت دینے والے مسلمان بھی جھوٹے۔ قرآن پاک بھی جھوٹا۔ اور مسلمانوں کا نبی بھی جھوٹا۔ جب پادری صاحبان اپنے گواہوں کو ہی جھوٹا کہہ رہے ہیں۔ تو آپ مسیح کی بریت کیسے کر سکتے ہیں کیا آپ مسیح کے اس کیسہ بردار کو شہادت میں پیش کریں گے۔ جس نے ۳۰ درہم کی خاطر مسیح کو دشمنوں کے حوالہ کر دیا؟ کیا آپ اس شمعون پطرس کو بریت کے لئے پیش کرینگے۔ جو مسیح کے سامنے ہی اس کا تین دفعہ انکار کر گیا۔ کیا آپ ان شاگردوں کو پیش کریں گے۔ جو مسیح کو تنہا چھوڑ کر بھیڑوں کی طرح بھاگ نکلے تھے۔ اور جن کے متعلق مسیح نے خود ہی کہدیا تھا۔ کہ جب چرواہے کو مارا جاوے گا۔ تو بھیڑیں بھاگ جاویں گی۔ کیا آپ انجیل کو مسیح کی بریت میں پیش کریں گے۔ جس میں مسیح کے برخلاف استغاثہ اور فرد جرم تو موجود ہے۔ مگر بریت موجود نہیں ہے۔ جناب پادری صاحب مسیح علیہ السلام کی بریت اگر ہو سکتی ہے۔ تو وہ قرآن پاک کے ذریعہ ہوتی ہے۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ دنیا کے ۸۰ کروڑ مسلمانوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ مگر افسوس کہ آپ مسیح کی بریت کے ان تمام گواہوں کو جھوٹا کہہ رہے ہیں۔ اسلام اور فرزندان اسلام کے علاوہ اسلام کی کتاب اور اسلام کے نبی معصوم

کے ساتھ یہ کس قدر بے انصافی ہے۔ جو آپ کر رہے ہیں۔ اس پر بھی آپ مجھے دعوت دیتے ہیں۔ کہ میں مسیحی بن جاؤں یہ کتنی بڑی جسارت ہے۔ میری اس گفتگو کو سن کر پادری صاحب یہ کہہ کر چل دیئے۔ کہ تمہارے ساتھ کلام کرنا اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ میں ہنس کر خاموش رہا۔

اس واقعہ کے سنانے سے میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ مسیحیوں کی کمزوری کو ظاہر کیا جاوے۔ بلکہ میرا مدعا یہ ہے۔ کہ جس صورت میں کہ ہم مسلمان لوگ مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص مسیح علیہ السلام کی شان مبارک میں ذرا سا بھی کلمہ منھ سے نکالتا ہے۔ تو ہم اس کی زبان کھینچ لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ہم مسیح علیہ السلام کی خاطر اپنا جان و مال قربان کر دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو مسیحی کہتے ہیں۔ وہ صرف یہی نہیں۔ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ جہاں تک اُن کی طاقت میں ہے۔ وہ ہمارے نبی کریم کے برخلاف ہر ایک غلط فہمی کو کتابوں کی شکل میں شائع کرنے میں ہی مسیحیت کی فتح سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ رویہ مسیح علیہ السلام کی تعلیم کے منافی ہے۔ کیا مسیح نے یہ نہیں کہا۔ کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا گذر جانا آسان ہے مگر دولتمند کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا ناممکن ہے۔ کیا یہ لکھپتی اور کروڑپتی مسیحی اور دولتمند مشنری اور مالدار مسیحی خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ یا غریب مسلمان۔ جو مسیح کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے۔ ہمیشہ ہی نادار و غریب دیکھے جاتے ہیں۔ کیا مسیح نے یہ نہیں کہا کہ اپنا خزانہ زمین پر جمع مت کرو۔ کیونکہ یہاں تو چوری کا ڈر ہے۔ بلکہ تم اپنا خزانہ آسمان پر جمع کرو۔ جہاں نہ چوری کا ڈر ہے۔ نہ زنگ کا اندیشہ۔ مگر آج کتنے مسیحی ہیں جن کو الہ آباد یا شملہ بنک کی نسبت آسمان کے بنک پر زیادہ بھروسا ہو۔ کیا مسیح نے یہ نہیں کہا۔ کہ اگر کوئی تیرا کرتہ لینا چاہتا ہے۔ تو تو اس کو چوغہ بھی اتار کر دیدے۔ اگر کوئی تیری دائیں گال پر طمانچہ مارے۔ تو بائیں بھی اس کی

طرف کر دے۔ مسیح کے اس حکم پر عمل کرنے والے مسیحی نہیں ہیں۔
بلکہ مسلمان ہیں۔ مسلمانوں سے مصر چھینا جاتا ہے۔ تو وہ طرابلس بھی دے
دیتے ہیں۔ مسلمانوں سے مراکو چھینا جاتا ہے۔ تو وہ الجیریا بھی حوالہ کر دیتے ہیں
اُن سے رومانیہ کا صوبہ لیا جاتا ہے۔ تو وہ سرویا۔ بلغاریا۔ مانٹی نیگرو بھی چھوڑ
دیتے ہیں۔ ان سے ہرسق چھینا جاتا ہے۔ تو وہ بوسینیا بھی دے دیتے ہیں۔
ان سے قبرس کا جزیرہ لیا جاتا ہے۔ تو وہ ایجین کے جزائر بھی دیدیتے
ہیں۔ ان سے البانیا چھینا جاتا ہے۔ تو وہ مقدونیا بھی حوالے کر دیتے ہیں
ان سے تھریس لیا جاتا ہے۔ تو وہ عراق عرب سے بھی ہاتھ اٹھا لیتے ہیں
ان سے شام کا ملک چھینا جاتا ہے۔ تو وہ فلسطین بھی حوالہ کر دیتے ہیں۔ کیونکہ
مسیح نے کہا ہے۔ کہ شریر اور ظالم کا مقابلہ مت کرنا۔ عزیزو ان وطن آپ نے
دیکھ لیا اور دیکھ رہے ہیں۔ کہ ہمارا اعتقاد مسیح علیہ السلام اور اُنکی تعلیم کے
متعلق کیسا عملی ہے۔ اس کے برعکس مسیحیوں کا سلوک ہمارے نبی کریم
ہماری کتاب اور ہمارے مذہب کے برخلاف کیسا قابل افسوس ہے۔ ہمنے
سوچا تھا۔ کہ جب مسیح کی خاطر ہم یہودیوں کے نزدیک قابل ملامت ٹھرائے
گئے۔ تو شاید مسیح کو ماننے والے ہی ہمارے ساتھ مل بیٹھیں گے۔ مگر مسیحیوں
کی طرف سے ہمیں ویسا ہی کورا جواب ملا۔ جیسا کہ یہودیوں کی طرف سے ملا
تھا۔ ایسی صورت میں ایک مومن مسلم کا دل نہایت بیچین ہو جاتا ہے۔
اور وہ بے چین ہو کر خدا کی درگاہ میں دعا کرتا ہے۔ کہ خداوندا! میں نے مسیحیوں اور
یہودیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ مگر انھوں نے نفرت اور حقارت کے
ساتھ میرے ہاتھ پکڑنے سے انکار کر دیا۔ یہ دعا کر کے خدا کا مومن مسلم بندہ
اپنے ہندو بھائیوں کی طرف آتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے۔ کہ شاید یہی قوم میرے
پیغام کو سن لے۔ چنانچہ وہ اس قوم کے سامنے اپنی داستان سناتا ہے۔ اور
کہتا ہے۔ کہ اے ہندو دوستو! آؤ ہم اور تم دونوں مل جائیں۔ اور آپس کے
تمام جھگڑے دور کر دیں۔ ہمارے اس پیغام کو سن کر ہندو چار قدم
آگے بڑھ کر ہم سے بغلگیر ہونے کے لئے دوڑتا ہے۔ اور نہایت مسرت سے

صحایف اولی میں الہامی صحیفوں کا پتہ لگے تو کیوں کر۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے ہمیں ہندوؤں کی مدد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ کے حل کے بعد ہی قرآن پاک کے اس اصول کا کہ ہر ایک قوم میں خدا کا نبی آیا تھا۔ ہمیں پتہ لگ سکتا ہے۔ کہ اس قوم میں کون کون سے خدا کے برگزیدہ نبی ہو گذرے ہیں۔ اگر مسلمانوں کا یہ خیال ہو کہ اس ملک میں نہ تو کبھی کوئی خدا کا رسول یا نبی آیا۔ نہ ہی اس ملک میں کوئی صحیفہ خدا کی طرف سے نازل ہوا۔ تو مسلمانوں کا یہ خیال صرف یہی نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ بے انصافی پر مبنی ہوگا۔ بلکہ ایسا کرنے سے قرآن پاک کا یہ اصول کہ ہر ایک قوم کی طرف خدا کا نبی یا رسول آیا۔ کمزور ہو جائے گا۔ اور اسلام کی صداقت معرض خطر میں پڑ جائے گی۔ پس ہمیں ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ قرآن پاک کے بیان کردہ اصول کی صداقت پر مہر لگانے کے لئے اس بات کے جاننے کی سخت ضرورت ہے۔ کہ اس ملک میں کوئی الہامی صحیفہ تھا یا نہیں۔ کوئی خدا کا نبی آیا یا نہیں۔ عزیزان وطن! سچائی کی تلاش کے متعلق ویدوں نے کہا ہے کہ:۔ "ہرن۔ یین۔ پاترین۔ ستیہ۔ اسیہ۔ اپ ہتم مکھم۔ تتواَم پوشنے۔ اپاورنو۔ ستّ دھرمائے۔ ورشٹائے" یعنی دنیاداری کے خیالات یا تعصبات کے پردوں سے سچّائی کا چہرہ چھپ جایا کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ چراغ کو روشن کرکے اس پر سونے چاندی کا برتن اوندھا کر دیا جائے۔ تو چراغ کی روشنی چھپ جاتی ہے۔ مسیح نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا۔ کہ چراغ اس لئے روشن نہیں کیا جاتا۔ کہ اُس کو مٹی کے برتن کے نیچے پوشیدہ کر دیا جاوے بلکہ چراغ اس لئے جلایا جاتا ہے۔ تاکہ اُس کو چراغدان پر رکھا جاوے۔ جس سے تمام گھر منور ہو جائے۔ وید کہتا ہے کہ سچائی کے منہ پر سے اس قسم کے تعصبات کے پردوں کو دور کرنے کے لئے۔ اے انسانو!

تم خدا سے ہر روز یہ دعا مانگا کرو۔ کہ اے نور مطلق! تو ہمارے دلوں پر سے ان حجابات کو دور کر دے۔ اور جو سچا دھرم یا حقیقت ہے۔ اس کو تو ہم پر کھول دے۔ یہ کیسی اعلیٰ درجہ کی دعا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض شاستروں میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے۔ کہ ستیم بلم۔ مہابلم یعنی صداقت ہی طاقت ہے۔ اور صداقت سے بڑی کوئی طاقت دنیا میں نہیں ہے۔ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ستیہ مئو جتے۔ نہ نرتم۔ ستیہ ہن پنتھا وت تو۔ دیویا ناہ۔ یعنی ہمیشہ صداقت کی فتح ہوتی ہے۔ جھوٹ کی فتح نہیں ہو سکتی۔ صداقت کے ذریعہ ہی عالموں۔ فاضلوں نے صراط مستقیم پہ قدم مارا ہے۔ وہ کبھی بھی صداقت سے ادھر اُدھر نہیں ہوتے۔ ایک نیتی کار نے تو یہاں تک لکھا ہے۔ کہ دنند۔ نتو۔ نیتی۔ نپناہ۔ یدی۔ واستونتو او یو۔ مرنم۔ استو۔ یو گیہ۔ انتر یو الکشمی۔ سماد چھتو۔ گچھتو۔ وا یتھیشم۔ نیایات پتھا پرو۔ چلنتی۔ پدم نہ دہیرا۔ یعنی دنیا دار لوگ خواہ تمہاری تعریف کریں۔ یا برا بھلا کہیں۔ خواہ تمہیں آج ہی موت آجائے۔ خواہ ہزار سال کے بعد مرنا ہو۔ خواہ تمہیں بے شمار دولت مل جائے۔ خواہ تم کنگال ہو جاؤ۔ مگر کسی صورت میں بھی صراط مستقیم سے اپنے قدموں کو ڈگمگانے مت دو۔ خدا کا دوسرا بندہ یہ کہتا ہے۔ کہ نہیٰ ستیات پرو دھرما۔ نہ نرتات۔ پاتکم پرم یعنی صداقت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مذہب اور جھوٹ سے بدتر دنیا میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ جس صورت میں کہ ہمیں اس ملک کے پرانے شاستروں میں صداقت کی اس قدر زبردست تعلیم ملتی ہو۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ خداوند

رسول و رشی اور نبی و منی

کریم نے اس ملک کو بغیر انبیا و رسل کے ہی رہنے دیا ہو۔ ہرگز نہیں۔ آؤ ذرا اس پردہ کو اٹھا کر دیکھیں تو سہی کہ معاملہ کیا ہے۔ جب ہم اس پردہ کو اُٹھاتے ہیں۔ تو ہمیں پتہ لگتا ہے۔ کہ جس مقدس ہستی کو ہم رسول کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کو اس ملک کے دھرم شاستروں میں رشی کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور اس کی

ہندوؤں کے نام

کہتا ہے۔ کہ ہم تو عرصے سے یہی کہتے چلے آرہے ہیں۔ کہ اس ملک کی نجات کے لئے ہندو مسلم اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ میاں! تم ہی ہم سے الگ تھلگ رہتے ہو۔ ہم تو شروع دن سے ہی مخلوط انتخاب کا شور مچاتے چلے آرہے ہیں۔ مگر تم معلوم نہیں کیوں جداگانہ انتخاب کے شیدائی بن رہے ہو۔ مسلمان کو ہندو کی یہ فراخدلی دیکھکر قدرے حوصلہ ہوتا ہے۔ اور وہ یہ سمجھتا ہے۔ کہ جب ہندو میرے ساتھ اختلاط کا اسقدر شیدائی ہے، تو وہ یقیناً میری بات کو پسند کرے گا اور ہم دونوں متفق و متحد ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ ہندو سے کہتا ہے میرے دوست میں ایک اصول کا پابند ہوں۔ تم اس کو سن لو۔ اگر تم اسکو پسند کر لو گے تو ہم دونوں میں اسقدر اتحاد ہو جائے گا۔ جو قیامت تک قایم رہے گا۔ ہندو کہتا ہے کہ میں تمہارے اصول کو بشرطیکہ اس سے میری جیب پر زد نہ پڑتی ہو۔ یقیناً سننا پسند کروں گا۔ مسلمان کہتا ہے اطمینان رکھو۔ میرا اصول تمہاری جیب کو ہلکا کرنے والا نہیں ہو گا۔ میرا اصول ہے۔ یہی کہ قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْر۔ یعنی دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس کی طرف خداوند کریم کے بھیجے ہوئے نبی اور بشیر و نذیر نہیں آئے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ عرب میں انبیا مبعوث ہوں۔ کنعان اور شام میں انبیا آئیں۔ فارس و عجم میں نبی پیدا ہوں۔ مگر اس ملک میں جس کو ہندوستان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور جہاں ۳۵ کروڑ کی آبادی ہے۔ یہاں کوئی نبی نہ آیا ہو۔ اس بات کو نہ تو عقل تسلیم کرتی ہے۔ نہ ہی اسلام پاک اس کو مان سکتا ہے۔ اس لئے ہمیں یہی کہنا پڑے گا۔ کہ یقیناً اس ملک میں بھی خدا کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول آئے ہوں گے۔ اور انھوں نے خداوند کریم سے الہام پا کر اس ملک کے باشندوں کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا ہو گا۔ نہیں ا

ملک کے ایسے نبیوں اور رسولوں کا پتہ لگانے کی ضرورت ہے تاکہ قرآن پاک کی اس صداقت پر کہ خداوند کریم نے ہر ایک قوم کی طرف اپنے بشیر و نذیر بھیجے. مہر لگ جاوے. مگر اس ملک میں انبیاء و رسل کی تلاش کرنے کے لئے ہمیں بہت سی دقتوں کے اندر سے گذرنا پڑتا ہے. سب سے بڑی دقت زبان کی ہے

الہامی زبان کا فیصلہ

میرے ہندو دوستو! کیا تم ہماری اس دقت کے حل کرنے میں ہماری مدد کر سکتے ہو؟ اس لئے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے. کہ خدا کا کلام ہر ایک قوم میں اور ہر ایک زبان میں نازل ہوتا رہا ہے چنانچہ ہماری دینی کتاب قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا ہے. وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ یعنی ہم نے جس ملک اور جس قوم میں اپنا کوئی نبی یا رسول بھیجا ہے. ہم نے اس کو اسی زبان میں الہام دیا ہے. جو کہ اس قوم کی زبان تھی. جس کی طرف کہ اس کو بھیجا گیا. قرآن پاک نے نہایت وضاحت کے ساتھ زبان کے جھگڑے کو نپٹا دیا ہے. اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے. کہ چونکہ فلاں کلام عربی زبان میں ہے. اس لئے وہ الہامی ہے. اور فلاں کلام سنسکرت میں ہے اس لئے وہ الہامی نہیں ہو سکتا ہے. نہیں بلکہ قرآن کریم نے عربی و سنسکرت کا جھگڑا چکا دیا ہے. پس ہمارے لئے تو میدان صاف ہو گیا. اور ہمیں اس بات کا موقع مل گیا. کہ ہم ہندوؤں کے صحف اولی یا پراچین دھرم شاستروں کی ورق گردانی کریں اور دیکھیں کہ ان میں سے کون کون سے صحیفے الہامی ہو سکتے ہیں. اور وہ کس کس رشی یا منی کو خدا کی طرف سے عطا ہوئے تھے. مگر مشکل یہ ہے. کہ ہندوؤں نے یہ سمجھ رکھا ہے. کہ ویدوں وغیرہ کے پڑھنے کا حق سوائے برہمن کے دوسرے کو نہیں ہے مسلمانوں کو تو وہ وید کیوں سنانے یا پڑھانے لگے. ایسی صورت میں ہمیں ان کے

ہے۔ نہ چکشور۔ گچھتی۔ نو منو۔ نہ وچا منو" یعنی خداوند کریم کو نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ نہ کان سُن سکتے ہیں۔ نہ من۔ نہ عقل۔ نہ علم کے زور سے اس کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ ذات پاک ہے۔ اُپ نشد فرماتے ہیں "یچ چکشو شا نہ پشتی۔ ییں۔ چکشو نشم۔ پشتی۔ تدیو۔ برہم۔ توم۔ بدہی نیندم۔ بدی ویدم اُپاستے یعنی اے انسان تو ان پتھروں وغیرہ کی پوجا مت کر۔ بلکہ اُس وحدہٗ لاشریک کی پرستش کر کہ جس کو آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ہاں آنکھ کو دیکھنے والا وہ موجود ہے۔ کیا قرآن پاک نے بھی نہیں کہا ہے۔ کہ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار یعنی آنکھ اُس کو نہیں دیکھ سکتی۔ ہاں وہ آنکھ کو دیکھ رہا ہے۔ اسیطرح اپ نشد نے یہ تعلیم دی ہے۔ کہ "یچ۔ شروتر ین۔ نہ شرنوتی ییں۔ شروترم ادم شرتم۔ تدیو۔ برھم۔ توم۔ بدہی۔ نیندم۔ یدی۔ دم اُپاستے۔ یعنی اے انسان تو ان پتھروں وغیرہ کی پرستش مت کر۔ بلکہ تو اس ذات پاک کی عبادت کر جس کو کان نہیں سن سکتے۔ ہاں کان کو سننے کی طاقت دینے والا وہی ہے اُپ نشد نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ وہ ذات پاک کیسی ہے "سا۔ پریہ گات۔ شکرم۔ اکایم اورنم اسناورہم شدھم۔ اپاپ۔ ایدیم۔ کوی۔ منی شی۔ سوئم تھو پری بھوہ" یعنی وہ ذات پاک سبوح ہے۔ قدوس ہے۔ لطیف ہے۔ حی و قیوم ہے۔ تمام عیوب سے منزہ ہے۔ سمیع و خبیر ہے۔ محیط کل ہے۔ شاہرگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے کیا یہ تعلیم وہی نہیں ہے۔ جو قرآن کریم پیش کرتا ہے۔ پس جس صورت میں کہ ویدوں اور اپنشدوں میں سے سینکڑوں ہی منتر اس قسم کے ملتے ہوں تو اس صورت میں ہمارے لئے اس بات کا فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ یقیناً اس ملک میں بھی کسی زمانے میں کلام ربانی نازل ہوا تھا۔ اور اسکی شہادت ہمیں اب تک مل رہی ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے۔ کہ آیا نبی یا رسول بھی اس ملک میں آئے تھے یا نہیں۔ اس سوال کا بہترین جواب ہمیں ہندوؤں یا آریوں کی سب سے پرانی کتاب رگوید سے ملتا ہے۔ جس کے کچھ حصے کا ترجمہ سوامی دیانند نے بھی کیا ہے۔ رگوید کا سب سے پہلا منتر اگنی پڑے پڑو ستم سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی خدا وحدہٗ لاشریک کی تعریف کرو۔

اس کی مدح وثنا کے گیت گاؤ۔ رگوید کا دوسرا منتر یہ ہے۔ کہ۔ اگنی پوروے بھی۔ رشی بھی۔ ری ڈیو۔ نوتن۔ نیروت۔ یعنی اے انسانوں تم اس ذات مقدس کی تعریف کرو۔ جو نورِ کُل ہے۔ ازمنہ سابقہ کے رشیوں نے اسی کی مدح کی اور زمانہ مابعد کے رشیوں نے بھی اسی کے گیت گائے۔ رگوید نے اپنے سب سے پہلے منتر میں توحید کو اور دوسرے منتر میں رسالت کو اصولاً تسلیم کر لیا ہے۔ اور لوگوں کو ہدایت کر دی ہے۔ کہ وہ نئے اور پرانے تمام انبیا ورسل یا رشیوں پر ایمان لائیں۔ قرآن پاک نے تو ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ دنیا بھر کے انبیا ورسل یا رشیوں منیوں پر ہم ایمان لائیں۔ ہمیں یہ بھی پتہ لگ گیا ہے۔ کہ اس ملک کے اندر بھی کسی زمانہ میں کلام ربّانی نازل ہوا تھا۔ اور اس ملک میں بھی خدا کے فرستادے آئے تھے۔ اب ہم اپنے ہندو دوستوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ دیکھو! یہودیوں اور عیسائیوں کے سامنے ہم نے دوستی کا ہاتھ پھیلایا۔ ہم اُن کے انبیا ورسل پر ایمان لائے۔ مگر اُنھوں نے ہمارے نبی اور رسول کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اب ہم تمھارے پاس آتے ہیں۔ اور ہم تمھارے رشیوں منیوں پر جو خدا کی طرف سے توحید خالص کا پیغام لے کر اس ملک میں آئے تھے۔ ایمان لانے کے لئے تیار ہیں۔ کیا تم بھی ہمارے نبی پر ایمان لانے کے لئے تیار ہو۔ ہندو ہماری

صحف ربّانی کا معیار

اس دعوت کو سنتا ہے۔ اور پوچھتا ہے۔ کہ کیا تم اُن بتوں کی پوجا کے لئے تیار ہو۔ جن کا میں پوجاری ہوں۔ مسلمان کہتا ہے۔ کہ میں اتحاد واتفاق کی بنا بت پرستی کو نہیں بلکہ خدا پرستی کو بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ خدا ہم سب کا خالق ہے۔ اس کے برعکس بت ہماری مخلوق ہیں۔ ہم اپنے خالق کی پوجا کر کے متفق و متحد ہو سکتے ہیں۔ مگر مخلوق کی پوجا ہمیں متحد نہیں کر سکتی۔ ہم بار بار اس بات کا اعلان کر رہے ہیں۔ کہ ہم توحید ورسالت پر جمع ہونا چاہتے ہیں۔ نہ کہ بت پرستی پر

یہ تعریف کی گئی ہے۔ کہ رشی وہ ہوتا ہے۔ جو کلام ربانی کو سنتا یا حاصل کرتا ہے۔ جب ہم نبی کہتے ہیں۔ تو ہم اس کا یہ مفہوم لیتے ہیں۔ کہ جو غیب کی باتیں ہم کو بتائے۔ مگر جب ہم مُنی کہتے ہیں۔ تو اُس کا مفہوم بھی یہی ہوتا ہے کہ ایسا بزرگ جو محسوسات ظاہری سے آنکھ بند کرکے روحانی دنیا میں غوطہ زن ہو۔ اور ہمیں روحانی دنیا کی باتیں بتاتا ہو۔ پس ہمیں ویدوں اور شاستروں میں سے رسول کا ہم معنی رشی۔ اور نبی کا مترادف مُنی دونوں لفظ مل گئے۔ اب ہم اس بات پر غور کریں کہ کیا اس ملک کے رشیوں اور منیوں سے خدا نے کبھی کلام کیا۔ اگر کلام کیا تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ اور وہ کلام کونسا ہے۔ جب ہم اسبات کا پتہ لگانا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ویدوں نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ (ایکم سدوپرا۔ بہودا۔ ودنتی۔ اگنیم یم۔ ماترشان۔ ماہو) وہ ذاتِ پاک وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہاں سدوپرا یعنی عارفان الٰہی نے اس کو مختلف ناموں سے پکارا ہے۔ کہیں اس کو اگنی یعنی "نور السموٰت والارض" کے نام سے پکارا ہے۔ کہیں اس کو ماترشان یعنی "سمیع وبصیر" کے نام سے پکارا ہے۔ کیا یہی وہ بات نہیں ہے جس کو قرآن پاک نے بدیں الفاظ ادا کیا ہے۔

ویدو اُپ نشد میں قرآن پاک کی تعلیم

(قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن فایّا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ) یعنی تم اس ذاتِ پاک کو خواہ اللہ کے نام سے پکارو خواہ رحمٰن کے نام سے۔ خواہ کسی دوسرے نام سے یہ تمام اچھے نام اسی وحدہٗ لاشریک کے ہیں۔ اسی طرح وید یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ:۔ یا آتمدا۔ بلدا۔ یسیہ۔ وشیہ۔ اپاستے۔ پرشی شم۔ یسیہ دیوا۔ یسیہ چھایا امرتم۔ یسیہ مرتیو۔ کس مئی۔ دیوا۔ یا ہوشہ ودہیم یعنی ذات باری تعالیٰ ہی ایک ایسا منبع ہے۔ جس سے انسان کی روح کو حقیقی طاقت مل سکتی ہے۔ تمام کائنات اسی کی پرستش کر رہی ہے

اجرام فلکی واجسام ارضی اسی کے حکم کے مطیع ومنقاد ہیں۔ اُسی کی پرستش سے نجات مل سکتی ہے۔ اگر ہم اس کی عبادت نہیں کریں گے۔ تو ہم ہلاک ہوجائیں گے۔ کیا قرآن پاک نے یہی تعلیم نہیں دی۔ کہ خداوندکریم ہی مقلب القلوب ہے۔ وہی انسان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔ جو کچھ آسمان وزمین میں ہے۔ اُسی کے گیت گا رہے ہیں۔ اُس کی عبادت کرنے سے نجات یا بہشت مل سکتا ہے۔ اگر اس کی عبادت نہیں کی جاوے گی۔ تو انسان کیلئے ابدی جہنم ہے۔ یہ بہشت یا سورگ کیا چیز ہے۔ آپ نشد بتاتے ہیں کہ دسورہ گگے لوگے تترنجن۔ بھیم ناستی۔ نہ تتر توام۔ نہ جرایا بھویتی" بہشت ایک ایسی جگہ ہے۔ کہ جس میں کسی قسم کا حزن وملال نہیں ہے نہ اس میں بڑھاپا ہے۔ نہ بیماری۔ بلکہ ابدی راحت اور دائمی سرور ہے۔ کیا قرآن پاک میں نہیں آیا کہ اہل جنت کے لئے کسی قسم کا خوف وملال نہیں ہوگا۔ ان کے لئے نہ بڑھاپا ہے۔ نہ بیماری نہ دکھ ہے۔ نہ رنج۔ بلکہ وہ دائمی سرور اور ابدی راحت میں دن بسر کریں گے۔ اور پھر جس دوزخ کا قرآن پاک نے ذکر کیا ہے۔ وید اُس کا نقشہ بدیں الفاظ کھینچتا ہے۔ "اسُریہ نام تے۔ لوکا۔ اندھین تمسہ۔ آورتاہ۔ تام ستے پریتہ اپی گچھنتی یے کے چا آتم۔ ہنو جنا" یعنی وہ لوگ جو خدا کی پرستش نہیں کرتے۔ وہ مرنے کے بعد ایسے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ جہاں تاریکیٔ مطلق ہے۔ اور کسی قسم کی راحت نہیں ہے۔ ویدوں میں جا بجا ایسے منتر ملتے ہیں۔ کہ جن میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی پرستش کی تعلیم دی گئی ہے اور بت پرستی سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ وید فرماتا ہے کہ "نہ تسیہ پرتما استی یسہ۔ نام مہدیشا" یعنی خداوندکریم کی کوئی مورت نہیں۔ مورت کے ذریعہ اس کا دھیان کرنا ڈھکوسلہ محض فضول ہے۔ اس کی عبادت تو یہی ہے کہ اس کے نام کا ورد کیا جاوے۔ دوسری جگہ اُپ نشد نے فیصلہ کردیا

جب ہم نے اصولاً رب العزۃ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور اس کی پرستش کو بنیادی اصول بنا لیا ہے۔ تو پھر اس کے سوا بتوں کی پرستش کیونکر کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں جب ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ رب العزۃ کی طرف سے نازل کردہ ہر ایک صحیفے پر ایمان لاتے ہیں۔ خواہ وہ کسی زبان یا کسی ملک میں ہو۔ تو ہم یہ کیونکر باور کر سکتے ہیں۔ کہ اس الہامی صحیفے میں خدائے واحد نے اپنے سوا کسی مخلوق کی عبادت کی تعلیم دی ہو گی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ الہامی کتاب کی سب سے بڑی علامت یہی ہے۔ کہ اس میں بت پرستی۔ کفر و الحاد اور فسق و فجور کی تعلیم نہ ہو۔ ہم روزمرہ اپنے تجربات و مشاہدات سے معلوم کرتے ہیں۔ کہ ایک معمولی درجہ کا آدمی اپنی اولاد یا اپنی بیوی کی تمام لغزشوں پر پردہ پوشی کرنے اور درگذر کے لئے تیار رہتا ہے لیکن اگر اس کی اولاد اپنے باپ کو یہ کہدے۔ کہ تو ہمارا باپ نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا اصلی باپ تو فلاں شخص ہے۔ یا بیوی اپنے خاوند کے علاوہ کسی غیر مرد کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ باپ اپنی اولاد کی مذکورہ بالا حرکت پر۔ یا خاوند اپنی بیوی کی مذکورہ بالا غداری پر کسی صورت میں بھی پردہ پوشی کرنے کے لئے تیار نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ باپ کسی صورت میں اپنی اولاد کو یہ تعلیم نہیں دے سکتا۔ کہ تم نے مجھے چھوڑ کر کسی غیر کو اپنا باپ بنا لینا۔ نہ ہی خاوند اپنی بیوی کو یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ تو نے میری موجودگی میں کسی غیر مرد کو میرے بچھونے پر جگہ دے دینا۔ پس جب ہم انسانوں کی غیرت کا تقاضا یہ ہے۔ تو کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ خداوند کریم نے اپنی کسی نازل کردہ کتاب میں اپنے بندوں کو یہ تعلیم دی ہو۔ کہ مجھے چھوڑ کر تم نے غیروں کو اپنا معبود و مسجود بنا لینا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے تو قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ خداوند کریم اپنے بندوں کے جملہ گناہوں پر پردہ پوشی کر سکتا ہے۔ مگر وہ غیروں کو معبود و مسجود بنانے کی لغویت کو نظر انداز نہیں کرے گا۔ تاوقتیکہ ایسی لغویت سے توبہ نہ کی جائے

یہ نہایت صحیح معیار ہے کسی کتاب کے من جانب اللہ یا من جانب الطاغوت ہونے کا۔ کہ آیا وہ کتاب توحید ربانی کی تعلیم دیتی ہے۔ یا ماسوا کی پرستش کا دروازہ کھولتی ہے۔ اس لالیف بلٹ یا معیار کو لے کر ہم ہندو دھرم کے عمیق سمندر میں کسی قسم کے خوف وخطر کے بغیر غوطہ زن ہو کر ہر ایک کتاب یا صحیفہ کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ جو من جانب اللہ ہو۔ اور ہم بلا خوف تردید ایسی ہر ایک الہامی کتاب پر آمنا وصدقنا کہنے کے لئے تیار ہیں۔ ہمارے ایسا کرنے سے ہمارے ایمان واسلام کو کسی قسم کا ضعف نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ تقویت ملتی ہے۔ مگر ہم اپنے ہندو دوستوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ اگر اُن کو اپنے مذہب کی صداقت پر کامل بھروسہ ہے۔ اور وہ ہمارے اس پیش کردہ معیار کو بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ تو کیا وہ بھی ہماری طرح قرآن پاک کے بحر بے پایاں میں غوطہ زن ہو کر اس کو من جانب اللہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ جب کہ یہ امر واقعہ ہو۔ کہ قرآن پاک نے توحید باری تعالیٰ کی نہایت شد ومد سے تعلیم دی ہے۔ اور رب العزۃ کے سوا کسی مخلوق کو مسجود ومعبود بنانے کو بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ نہ صرف یہی۔ بلکہ جب ہم ان کے تمام ایسے رشیوں منیوں پر ایمان لانے کے لئے تیار ہیں۔ جن کو رب العزۃ کی طرف سے مذکورہ بالا قسم کی کوئی نہ کوئی الہامی کتاب ملی ہو۔ بشرطیکہ ایسی الہامی کتاب یا ایسے رشیوں منیوں کا جو خدا کی طرف سے اس ملک میں آئے اور توحید کا وعظ سنا گئے ہمارے دوستوں کی طرف سے ہمیں نشان مل جائے۔ کیا اسیطرح ہمارے ہندو دوست اپنے دل کو اس قدر وسیع کر سکتے ہیں۔ کہ جب ہم ان کو اپنی کسی ایسی الہامی کتاب کا یا ایسے انبیاء ورسل کا پتہ دیں۔ جو مذکورہ بالا معیار پر ٹھیک اُترتے ہوں۔ تو وہ ان پر ایمان لائیں۔ تاکہ ہمارے آپس کے تمام جھگڑے مٹ جائیں۔ اس لئے کہ جب ہمارے اور ہمارے ہندو دوستوں کے جملہ انبیاء

ورشیوں اور رشی منی رب العزۃ کے پرستار ہونے کی وجہ سے مشترکہ ہوگئے۔ تو پھر ہم میں اور اُن میں مغائرت نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ جب ہمارا اور اُن کا معبود وہی خالق حقیقی ہوگیا۔ اور اُس کے فرستادہ مقدس بندے ہمارے اور اُن کے واجب التعظیم ہوگئے۔ اور اسکی فرستادہ کتب ہمارے لئے واجب الایمان ہوگئیں۔ تو جھگڑا کاہے کا ہے۔ مگر کیا ہمارے ہندو دوست اس پیغام کو سننے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں گے؟ اس سوال کے جواب میں ہندو ہم سے یہ پوچھتا ہے۔ کہ کیا تم فی الحقیقت ہمارے رشیوں منیوں پر ایمان لانے کے لئے تیار ہو؟ ہم اپنے ہندو دوست سے کہتے ہیں۔ کہ ہم اس کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ اس معاملہ میں ہندو دوست ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ اور وہ اپنے رشیوں منیوں کی سوانح عمری اور اُن کے درس وتدریس یا تعلیم و تعلم کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کردیں۔ تاکہ ہم یہ فیصلہ کرسکیں۔ کہ اُن میں سے کونسا رشی منی مذکورہ بالا کسوٹی پر ٹھیک اُترتا ہے۔ اور کونسا ٹھیک نہیں اُترتا۔ جو ٹھیک اُترے گا اُس کے منجانب اللہ ہونے پر ہم ایمان لائیں گے۔ اور ہمیں ایسا کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ ہمارے ہندو دوستوں کو اس کے متعلق زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اُن کو صرف اتنا ہی دکھلانا پڑے گا۔ کہ وہ رشی منی جن پر خدا کا کلام نازل ہوا۔ وہ بت پرست نہیں تھے۔ بلکہ خدا کے سچے پرستار تھے۔ وہ زہد والتقا کا نمونہ تھے۔ وہ فسق و فجور سے پاک تھے۔ وہ خداترس تھے اُن کی زندگی دیگر انسانوں کے لئے اسوۂ حسنہ تھی۔ اِن باتوں کا پتہ لگنے کے ساتھ ہی ہم یقیناً ایسے رشیوں منیوں کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لے آئیں گے۔ اس طرح جب ہمارے اور ہندوؤں کے رشی منی مشترکہ ہوجائیں گے۔ تو ہمارا اتفاق و اتحاد بھی کامل ہوجائے گا۔ اس صورت میں نہ ہم اُن کے رشیوں منیوں کو برا کہنا

کہیں گے۔ نہ وہ ہمارے انبیاؤ رسل کو بڑا سمجھیں گے۔ بلکہ جس طرح ہم ان کے رشیوں منیوں کا کلمہ پڑھیں گے۔ اسی طرح ہمارے ہندو دوست ہمارے انبیاء و رسل کا کلمہ پڑھ کر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جھنڈے تلے کھڑے ہو جائیں گے۔ وہ نظارہ کیسا شاندار ہو گا۔ جب کہ ہمارے اور ہندوؤں کے آپس کے تفرقات مٹ جائیں گے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ کیا ہمارے ہندو دوست اسبات کے لیئے تیار ہیں۔ کہ وہ ہمارے کلمہ میں شریک ہو جائیں۔ اور ہم اُن کے کلمہ میں جو توحید ورسالت کی بنا پہ ہو شرکت کریں؟ اگر وہ تیار ہوں تو اس بات کا جلد ہی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ مگر کیا یہ حیرت کا مقام نہیں ہے۔ کہ ہمارے ہندو دوست اس بات کو تسلیم کریں کہ دنیا کی ہدایت کے لئے پرماتما مچھلی بنا تھا۔ کچھوا بنا تھا۔ یا شیر بن کر نرسنگھ اوتار کہلایا تھا۔ وہ ان باتوں پہ تو ایمان رکھتے ہوں۔ مگر وہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پہ ایمان لانے کے لئے تیار نہ ہوں۔ حالانکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آکر فسق و فجور، بت پرستی اور دیگر فواحشات کی جسقدر بیخ کنی کی۔ اُس کی مثال دنیا بھر میں کسی نبی رسول یا رشی منی کی زندگی میں نہیں ملتی پھر ایسے مقدس و برگزیدہ انسان کے نام سے ہمارے دوستوں کو اس قدر نفرت کیوں ہے۔ ہمارے ہندو دوستوں کو اپنی دولت پہ بھروسا ہے۔ اپنی تعداد پہ ناز ہے۔ اپنی تعلیم پہ گھمنڈ ہے مگر جو دولت مسلمانوں کے پاس ہے۔ وہ بے نظیر چیز ہے۔ اس دولت سے میری مراد سونے چاندی کے ڈھیر نہیں۔ بلکہ وہ روحانی

اسلام کی دولت

دولت ہے۔ جو خداوند کریم کی طرف سے دنیا کے آغاز سے لے کر حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ تک انبیاء و رسل کو یا رشیوں منیوں کو ملتی رہی۔ مسلمانوں کے پاس اگر دنیا کی دولت نہیں

ہے۔ تو بلا سے نہ ہو۔ لیکن وہ اس بات کا سچا فخر کر سکتے ہیں
کہ اسرائیلی انبیاء و رسل کو جو روحانی دولت خداوند کریم کی طرف
سے ملی تھی۔ اس کی چابی آج بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔
مسیح علیہ السلام کو خدا نے جو روحانی خزائن دیئے تھے۔ اس
کے مالک بھی مسلمان ہی ہیں۔ ہندوستان کے رشیوں
منیوں کو خداوند کریم کی طرف سے جو روحانی تعلیم دی
گئی تھی۔ وہ آج ہندوستان کے اندر صحیح حالت میں
موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ قرآن پاک میں محفوظ ہے۔ اس لئے
کہ قرآن پاک دنیا بھر کے انبیاء و رسل اور رشیوں منیوں کا امین
ہے۔ وہ روئے زمین کے کسی بھی نبی یا رسول کی تکذیب نہیں
کرتا۔ نہ ہی مسلمان کسی نبی یا رسول یا رشی منی کی تکذیب کرتے
ہیں۔ حالانکہ اس کے برعکس عیسائی۔ یہودی اور ہندو اپنے انبیاء
و رسل کو چھوڑ کر دنیا بھر کے انبیاء و رسل کی تکذیب کرتے ہیں
یا دوسرے الفاظ میں وہ اس روحانی دولت سے جو دنیا بھر کے دیگر
مذاہب کے انبیاء و رسل کو خداوند کریم کی طرف سے ملی تھی۔ دستبردار
ہو گئے ہیں۔ بنا بریں اس روحانی دولت سے محروم رہ گئے ہیں۔ کیا
یہ امر واقعہ نہیں ہے۔ کہ ایک مومن مسلم کے دل کا خزانہ دنیا
بھر کے انبیاء و رسل کی دولت سے معمور ہے۔ لیکن ایک
عیسائی۔ یہودی یا ہندو کے دل کی یہ کیفیت نہیں ہے۔
اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ دنیا بھر میں کل ایک سو اقوام ہیں۔ اور
ان میں سے ہر ایک قوم کی طرف ایک نبی آیا۔ تو اس لحاظ سے
مسلمان تو ان ایک سو انبیاء و رسل کی میراث کے وارث ہونگے
برعکس اس کے دنیا کی ہر ایک قوم صرف اپنے ہی ایک نبی یا
رسول کی وارث کہلاتی ہے۔ اور دیگر ۹۹ انبیاء و رسل کا انکار
کرتی ہے۔ حالانکہ اپنے جس ایک نبی کو وہ اقوام مانتی ہیں۔ وہ

ایک ہی مسلمانوں کے ایک سو انبیا و رسل میں موجود ہے۔ مگر دیگر اقوام کے ایک نبی میں مسلمانوں کے ۹۹ انبیا شامل نہیں ہیں۔ اس سے آپ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ اسلام نے دیگر اقوام کے ساتھ صلح و اتفاق و اتحاد کی کس قدر اعلیٰ تعلیم دی ہے۔ اور اس اتفاق و اتحاد کے لئے اس نے جو نصب العین مقرر کیا ہے۔ وہ کس قدر اعلیٰ ہے۔ مگر کیا ہمارے ہندو دوست اس نصب العین کو اور اس نصب العین کے مطابق صلح و اتحاد اور اتفاق کے شجر کی آبیاری کے لئے تیار ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب مسلمان نہیں بلکہ ہندو ہی دے سکتا ہے۔

ہندو دوستوں کا مسلمانوں پر الزام اور اُس کا جواب

عزیزان وطن! میں نے آپ کے سامنے اسلام کے متعلق اس وقت تک جو کچھ کہا ہے اس کے قبول کرنے کے لئے دنیا کے کسی انسان کو ہرگز کسی قسم کی دقت نہیں پیش آسکتی۔ اس لئے کہ شجر و حجر یا قبر و بقر کی پوجا ترک کر کے ایک ہی خالق و مالک اور حیّ و قیوم خدا کے سامنے سر نیاز خم کر دینا کسی قسم کی ناقابل برداشت قربانی کا محتاج نہیں ہے۔ اسی خالق و مالک کے برگزیدہ بندوں کے احترام کے لئے اپنے دل میں تھوڑی سی وسعت پیدا کر لینا بھی کسی قسم کی مالی قربانی نہیں چاہتا۔ خالق و مالک کی طرف سے اس کے برگزیدہ بندوں کی معرفت بنی نوع انسان کی رہبری و ہدایت کے لئے جس قدر کتب ربانی کا نزول ہوتا رہا۔ ان کتب ربانی کی عزت و احترام کرنا بھی [illegible]

امر نہیں ہے۔ یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن پر اگر ہندوستان کی دونوں قومیں یعنی ہندو اور مسلمان اتفاق کریں۔ تو مذہب کے متعلق مناقشات کا ایک بڑا حصہ طے ہو سکتا ہے۔ مسلمان تو ان تینوں اصولوں کے سامنے سرتسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ مگر کیا ایک ہندو کے دل میں بھی ان اصولوں کے لیئے عزت و احترام کا جذبہ موجود ہے؟ کیا وہ شجر۔ حجر اور بقر کی پوجا کو ترک کر کے ایک ہی زندہ خدا کے سامنے سر نیاز خم کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ کیا وہ اپنے ملک کے رشیوں منیوں کے علاوہ دیگر اقوام کے انبیاء و رسل کا مناسب احترام کرنے پر آمادہ ہے۔ کیا وہ اپنے ملک کی کتب مقدسہ کے علاوہ دیگر ادیان کی ایسی کتب مقدسہ پر جن میں کسی قسم کی بت پرستی کی تعلیم نہیں دی گئی۔ بلکہ بت پرستی سے منع کیا گیا ہے۔ شردھا یا بھگتی کا اظہار کرنے کے لیئے تیار ہے؟ اگر وہ ان تینوں باتوں کے لیئے تیار ہو۔ تو میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ ہندو مسلم اتحاد کی صحیح بنیاد قائم ہو سکتی ہے۔ اور ہندو کی طرف سے مسلمان کے دل میں جو شبہات یا بدظنی ہے۔ اس کا ایک حد تک ازالہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مسلمان روٹی کے سوال پر اس قدر فریفتہ نہیں ہے۔ جس قدر کہ وہ اپنے مذہب کا شیدائی ہے۔ وہ اپنی روٹی کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے۔ لیکن اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کا مذہب خطرہ میں ہے۔ تو وہ ازحد پریشان اور برافروختہ ہو جاتا ہے۔ اور مسلمان کا مذہب در اصل اس کے سوا کچھ نہیں

ہے۔ کہ وہ بنی نوع انسان کو اتفاق و اتحاد کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس اتفاق و اتحاد کے لیے وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کو اس کے برگزیدہ بندوں کے احترام کو اور اس کی مقدس کتابوں کو اساس قرار دیتا ہے۔ کس قدر بہترین اصول ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی کس قدر آسان اور سادہ ہے۔ اس لئے کہ ہندو سے کسی قسم کی جانی یا مالی قربانی نہیں مانگی جاتی۔ صرف یہی کہا جاتا ہے۔ کہ تم اپنے دماغ کے گوشے میں ذرا سی وسعت پیدا کر لو۔ اپنے دماغ میں ذرا سی وسعت پیدا کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ مسلمان کے دل میں ہندو کی طرف سے جسقدر شکوک ہیں۔ اور جن شکوک کی بنا پر وہ مخلوط انتخاب سے گریز کرتا ہے وہ تمام شکوک رفع ہو جائیں گے۔ اور مسلمان ہندوستان بھر میں جداگانہ انتخاب سے دست بردار ہو کر ہندو کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہو جائے گا۔ لیکن اگر ہندو مسلمان کی اس اپیل پر کان نہیں دھرتا۔ تو اس کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کہ مسلمان قوم پرست نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ مخلوط انتخاب کا حامی نہیں ہے۔ اس کے مقابلہ میں مسلمان بجا طور پر یہ کہہ سکتا ہے کہ جو ہندو اپنے خالق و مالک اور رزاق و محافظ اور حی و قیوم خدا کے لئے بے نیاز کے سامنے میرے ساتھ مل کر سر نیاز خم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور وہ اس ایک کی بجائے شجر و حجر و بقر کی صورت میں سینکڑوں۔ ہزاروں۔ کروڑوں معبودوں کے سامنے جداگانہ حیثیت سے سر جھکاتا پھرتا ہے۔ وہ مجھے مخلوط انتخاب کی دعوت کیوں کر دے سکتا ہے۔ اگر وہ خدا کے برگزیدہ بندوں اور خدا کی مقدس کتابوں کے لئے میرے اس جذبہ میں اشتراک عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جو کہ عزت و احترام کا جذبہ ہے۔ تو وہ مجھے مخلوط انتخاب کی دعوت دینے کی جسارت کیونکر کر سکتا ہے

انوارِ اسلام

بیان کا دوسرا حصّہ

اسلام کا عملی پہلو

عزیزانِ وطن! اسلام کے متعلق میں نے اس وقت تک آپ کے سامنے جو بیان دیا ہے۔ وہ اسلام کا ذہنی پہلو ہے۔ اس کے ماننے کے لئے ہم ہر ایک غیر مسلم سے یہ اپیل کر سکتے ہیں کہ اگر اسلام کے اس ذہنی پہلو کے لئے وہ اپنی ذہنیت میں کسی قدر وسعت پیدا کرلے۔ تو مسلم اور غیر مسلم کے تعلقات کی کشیدگی کافی حد تک دور ہو سکتی ہے۔ اسلام کے اس ذہنی پہلو کے علاوہ اس کا عملی پہلو بھی ہے۔ جو اس کی ذہنیت کا عکس یا صحیح فوٹو ہے۔ مثلاً جب اسلام یہ کہتا ہے۔ کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور کہ بنی نوع انسان کو اسی حی و قیوم خدا کی پرستش کرنی چاہیئے۔ تو وہ اپنی پرستش گاہ کا دروازہ ہر ایک اس شخص کے لئے یکساں کھول دیتا ہے جس نے کہ اس خالق و مالک کی پوجا کرنی ہو۔ اسلام اپنی عبادتگاہ کو مسجد کے نام سے پکارتا ہے۔ اور وہ اس شخص کو ظالم قرار دیتا ہے جو کسی خدا پرست کو مسجد میں آکر خدا کا نام لینے یا خدا کی پرستش کرنے سے روکتا ہو۔ مسلمانوں کی تواریخ اس بات

مسجدوں کا دروازہ ہر ایک خدا پرست کیلئے کھلا ہے

کی شہادت دیتی ہے۔ کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو اپنی موجودگی میں مسجد کے اندر ان کے اپنے طریقہ پر خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کی اجازت دی۔ اسلام اس بات کا نہایت کھلے الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ جب ہم نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ ہم سب کا خالق و مالک ایک ہی ہے تو پھر اس ایک کی پوجا کے لئے ہمیں الگ الگ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ [illegible]

اس واحد خدا کی اکٹھے مل کر عبادت کریں۔ عزیزان وطن! کیا اسلام کا یہ عملی پہلو ایسا نہیں ہے۔ کہ اگر غیر مسلم دنیا اسکو تسلیم کر کے عملی جامہ پہنانے کے لیئے تیار ہو جائے۔ تو ہندوستان یا ہندوستان سے باہر بھی اُس کے نتائج عظیم الشان برآمد ہو سکتے ہیں۔

ذات پات کی بجاۓ اخوت و مساوات

خدائے واحد کی پوجا کے علاوہ وہ بنی نوع انسان میں اخوت و مساوات پیدا کرنیکے لیئے وہ ایک نہایت ہی شاندار قدم اُٹھاتا ہے۔ وہ پیدائش یا پیشہ کی بنا پر قائم کردہ یا قائم شدہ جملہ امتیاز ذات کو مٹا ڈالنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اس قسم کی ذات پات کا ہرگز قائل نہیں ہے۔ کہ جس کی بنا پر ایک ہی عقیدہ رکھنے والے لوگوں کا باہمی اکل و شرب یا مناکحت تک ناجائز ہو جاتے ہوں۔ وہ رنگ و روپ یا ملک و نسل کی بنا پر کسی قسم کی ذات پات قائم نہیں کرتا نہ ہی وہ جغرافیہ کی حدود کو ذات پات کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ عربی و عجمی۔ ترکی و تازی۔ فرنگی و زنگی غرضیکہ ہر ایک وہ انسان جس نے خدائے بے نیاز کے سامنے سر نیاز خم کر دیا۔ اور جس نے خدا کے فرستادوں اور احکام ربانی کے لیئے اپنے دل کے دروازے کھول دئے۔ اسلام نے اس کے جملہ حقوق کو مساویانہ حیثیت میں تسلیم کر لیا۔ اب اسکو خطرہ نہیں ہے۔ کہ وہ کالے رنگ کی بنا پر گورے رنگ والوں کے پہلو بہ پہلو خدا کی پوجا میں ایک ہی جگہ نہیں بیٹھ سکتا۔ یا ایک ہی دسترخوان پر کھانا نہیں کھا سکتا۔ یا ایک ہی طریقہ پر شادی نہیں کر سکتا۔ یا ایک ہی قبرستان میں دفن ہونیکے لئے جگہ نہیں پا سکتا۔ یا اُسی بہشت میں داخلہ کا ٹکٹ حاصل نہیں کر سکتا فرش سے عرش تک یا زمین سے آسمان تک انسان کے جسقدر حقوق ہیں۔ کونسا حق ہے جسکو حاصل کرنیکا دروازہ اسکے منہ پر محض اسلیئے بند کیا جا سکتا ہو۔ کیونکہ وہ پیدائش کے لحاظ سے زنگی یا فرنگی ہے۔ اسلام صرف یہ کہتا ہی نہیں ہے۔ بلکہ کر کے دکھلاتا ہے۔ اور اسکے فرزندوں نے ہزاروں۔ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں اسکو عملی جامہ پہنا کر دکھایا ہے۔ اسلام نے غلاموں اور غلام زادوں کو تاج و تخت کا وارث بنا کر دنیا کے بڑے بڑے مغروروں اور متکبروں کو جو ذات پات کے گھمنڈ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان ہی غلام زادوں کے سامنے سرنگوں کر دیا۔

عزیزانِ وطن! آج تم میں سے اکثر نوجوان وطن عزیز کی آزادی کے لئے فلک شگاف نعرے لگاتے سنے جاتے ہیں۔ اور ایسے لیڈروں کی کمی نہیں ہے جو امپیریلزم کو مٹا ڈالنے کے لئے بے انتہا غل غپاڑہ کر رہے ہیں مگر تم ذرا ان میں سے ایک لیڈر تو ایسا بتا دو۔ یا دکھلا دو۔ جو امپیریلزم کو مٹانے کی خاطر اپنے امپیریلزم کو خیرباد کہنے کے لئے تیار ہو۔ اپنے امپیریلزم سے میری مراد وہ ذات پات ہے جس نے غیر برہمن کو برہمن کے نزدیک اپوتر یا اچھوت بنا رکھا ہے۔ برہمن لیڈر جب پبلک میں کھڑا ہو کر مزدور اور کسان کے لئے آنسو بہاتا ہے۔ اور اچھوتوں کے حقوق کے لئے آنسو گراتا ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دیوتا ہے جسکے سینے میں مزدور۔ کسان اور ہر اچھوت کے لئے درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے لیکن اگر اس سے یہ کہا جاوے۔ کہ تیرے اور مزدور۔ کسان اور اچھوت کے درمیان جو ذات پات کی دیوار قائم ہے کیا تو اس دیوار کی ایک اینٹ کو اپنے عمل سے سرکانے کے لئے تیار ہے کیا تیرے اس مگرمچھ کے سے آنسوؤں میں اتنی سی حقیقت بھی پوشیدہ ہے۔ کہ تو ذرا ذات پات کی امپیریل قیود کو توڑ کر ایک مزدور۔ کسان یا اچھوت کے ساتھ رشتہ ناطہ کر کے عملی نمونہ دُنیا کے سامنے پیش کرے؟ اس سوال کا جواب ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے چوٹی کے لیڈر کے لئے بھی ہمالیہ سے زیادہ گراں ہوگا۔ حالانکہ اسلام نے عین اپنے ابتدائی دور میں بھی اس قسم کے سینکڑوں۔ ہزاروں اور لاکھوں ذات پات کے ہمالیوں کو اپنی ذرا سی ٹھوکر سے چکنا چور کر دیا تھا۔ اور اب بھی چکنا چور کر رہا ہے۔ عزیزانِ وطن! تم یہ کہتے ہو کہ ہندوستان سے امپیریلزم کا خاتمہ ہو جانا چاہیئے۔ مگر میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ یہ ذات پات کیا چیز ہے؟ کیا یہ امپیریلزم کا بھی باپ نہیں ہے۔ اگر تم ذات پات سے خطرناک امپیریلزم کو توڑنے کے لئے تو تیار نہیں ہو۔ تو تم دوسرے امپیریلزم کو بھی دور کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ امپیریلزم کے برخلاف تمہاری کوشش کا نتیجہ اگر کوئی نکل سکتا ہے۔ تو صرف یہ کہ تم ایک ہلکی قسم کے امپیریلزم کو دور کر کے ذات پات کے نہایت ہی خطرناک امپیریلزم کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہو۔ اگر میرا یہ خیال بے بنیاد ہو۔ تو تم مجھے صاف الفاظ میں ذرا بتا تو دو۔ کہ اسوقت تک کتنے برہمن

لیڈروں نے ذات پات کے امپیریلزم کو توڑنے کے لئے غیر برہمنوں یا اچھوتوں کے ساتھ کھلے بندوں رشتے ناطے کئے؟ اگر تم اس کی کوئی مثال نہ دے سکو جیسا کہ مجھے یقین ہے۔ کہ تم نہیں دے سکتے۔ تو پھر تم مجھ سے سوال کر سکتے ہو۔ کہ میں تم کو بتاؤں کہ کتنے سیدوں نے غیر سیدوں کو کتنے مغلوں نے غیر مغلوں کو کتنے پٹھانوں نے غیر پٹھانوں کو لڑکیاں دیں اور ان کی لڑکیاں لیں۔ اگر تم ایک ہزار یا ایک لاکھ ایسی مثالیں لینا چاہو۔ تو میں تمہیں دے سکتا ہوں۔ اسلام کے زمانہ ماضی اور زمانہ حال دونوں کی مثالیں دے سکتا ہوں یہ ایک عملی پروٹسٹ تھا اور عملی پروٹسٹ ہے۔ جو کہ اسلام نے امپیریلزم کے برخلاف دیا اور اب بھی دے رہا ہے۔ عزیزانِ وطن! اگر تم امپیریلزم کو مٹانا چاہتے ہو۔ تو اسکے لئے بہترین حربہ ہندولزم کی ذات پات نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کی اخوت و مساوات ہے۔ اسلام اسی اخوت و مساوات کی عملی تعلیم دیتا ہے۔ اور اخوت و مساوات نے ہمیشہ امپیریلزم کو شکست دی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کبھی مسلمانوں میں بھی امپیریلزم نے سر نکالا ہے۔ تو اسی اخوت و مساوات کے حربہ نے اس کے سر کو کچل ڈالا ہے۔ اسکی مثالیں ایک دو نہیں۔ بلکہ سینکڑوں ہزاروں تواریخ اسلام اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ ہندوستان کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے۔ کہ اس نے ابتک بھی اسلام کو سمجھنے اور اپنا بنانے کی کوشش نہیں کی۔ میرے عزیزو! کیا تم کسان اور مزدور کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ مگر کیا کسان اور مزدور کی ہمدردی

ہندوستان کے مزدور اور کسان کی کمر کو توڑنیوالا سود در سود کا چکر

محض مگرمچھ کے سے آنسوؤں سے حاصل کی جاسکتی ہے جبکہ امر واقعہ یہ ہو۔ کہ مزدور اور کسان کی کمر کو سود در سود کے بے انتہا بوجھ نے صدیوں سے توڑ رکھا ہے۔ مگر میرے عزیزو! ذرا ٹھنڈے دل سے غور کر کے مجھے بتاؤ۔ کہ اب تک تمہارے لیڈروں میں سے کتنے لیڈروں نے ہندوستان کے سرمایہ داروں سے اپیل کی۔ کہ وہ اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم اس نازک زمانہ میں جبکہ گورنمنٹ بھی اپنے مالیہ میں ہر جگہ تخفیف کر رہی ہو۔ سال دو سال کا سود ہی مزدوروں اور کسانوں کو معاف کر دیں مجھے بتاؤ کہ

تمہاری کانگریس نے کب اور کہاں اس قسم کا رزولیوشن پاس کیا۔ کہ ہندوستان کے ساہوکار کم از کم دو سال کا سود مزدوروں اور کسانوں کو معاف کر دیں۔ جب ان سوالوں کا جواب نفی میں ہو۔ تو مزدور اور کسان کی ہمدردی کے لئے نشو ئے بہانا کوئی مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔ عزیزان وطن! اب اسکے مقابلہ میں تم اس تعلیم کا مطالعہ کرو۔ جو مزدور اور کسان کے ساتھ ہمدردی کے لئے پیش کرتا ہے۔ اسلام نہایت واضح الفاظ میں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جو مزدوروں۔ غریبوں محتاجوں کی مدد میں روپیہ قرض دیتا ہے۔ وہ گویا خدا کو قرض دیتا ہے۔ اسلام پاک ایسے روپیہ پر سود قطعاً حرام ٹھہراتا ہے اور ایسی سود خوری کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ عزیزان وطن! تم کہتے ہو کہ سرمایہ داری لعنت ہے۔ مگر اسلام سرمایہ داری کو لعنت اقرار نہیں دیتا۔ بلکہ وہ سود خوری کو لعنت اور اشد ترین لعنت قرار دیتا ہے۔ ہاں اسلام میں بھی اس قسم کی سرمایہ داری واقعی لعنت ہے جس میں سود در سود کے ذریعہ اضافہ ہوتا جائے۔ اور سرمایہ کو پاک کرنیکے کے لئے زکوٰۃ کا دروازہ بند رکھا جاوے۔ لیکن جس سرمایہ داری پر سود در سود کا دروازہ بند ہو۔ اور زکوٰۃ کا دروازہ کھلا ہو۔ اسلام نے ایسے سرمایہ کو لعنت قرار نہیں دیا بلکہ وہ ایسے سرمایہ کو پاک بناتا ہے۔ عزیزان وطن! سرمایہ داری کے برخلاف بھی اگر تم کامیابی کے ساتھ آواز بلند کرنیکے متمنی ہو۔ تو اسکے لئے بہترین حربہ سود در سود کی بندش اور زکوٰۃ کی حمایت ہے۔ مگر کیا تم نے یا تمہارے لیڈروں نے ابتک کہیں بھی سود در سود کے برخلاف اور زکوٰۃ کے حق میں صدا بلند کی۔ یا رزولیوشن پیش اور پاس کئے؟ غالباً نہیں۔ اگر کچھ کیا تو یہ کہ ہندوستان کو مذہب کی ضرورت نہیں ہے اور کہ ایسے لوگوں کو جو مذہب کی بنا پر فرقہ واری کے حامی ہوں۔ کانگریس سے خارج کر دو۔ یہ ایک افسوسناک قدم ہے جو اٹھایا جا رہا ہے۔ میرے عزیزو! میں نے انوار عالم میں تمہارے سامنے مذہب کی حقیقت پر روشنی ڈالی۔ کیا تم میں سے کسی کو بھی جرأت ہوئی۔ کہ ان حقائق کے برخلاف لب کشائی کر سکے۔ اب میں تمہارے سامنے اسلام کا ڈیفنس پیش کر رہا ہوں۔ اور تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم ان حقائق سے انکار تو کر دو۔ یہ کافی نہیں ہے۔ کہ تم اسلام کو سمجھنے کے بغیر اسکے برخلاف جہاد

شروع کر دو۔ یا اس کی طرف سے بدظن ہو جاؤ ۔؛

چھوت چھات کا علاج اسلام ہی ہے

عزیزان وطن! ذات پات اور سود خوری کی لعنت کی طرح چھوت چھات کی لعنت نے بھی ہندوستان کو برباد کر رکھا ہے میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ کانگریس نے چھوت چھات کے برخلاف اکثر آواز اٹھائی ہے۔ مگر یہ آواز محض نمائشی ہے۔ اور اسلئے ہے تاکہ کانگریس کی اس آواز کو سنکر ہندوستان کے کروڑ ہا چھوت لوگ جداگانہ نیابت کے مطالبہ کو ترک کر دیں۔ ورنہ اگر کانگریس کی چھوت چھات کے برخلاف آواز حقائق پر مبنی ہوتی تو کانگریس کو سب سے پہلے یہ رزولیوشن پیش اور پاس کرنا چاہئے تھا۔ کہ جو شخص مسلمانوں اور اچھوتوں کے ساتھ علانیہ کھانے پینے کے لیئے تیار نہ ہو۔ وہ کانگریس کا ممبر نہیں رہ سکتا۔ جب کانگریس کے ایک ہی پلیٹ فارم پر بیٹھنے والے مسلم اور غیر مسلم دوسرے کے ساتھ بیٹھکر کھانے پینے کے لئے تیار نہ ہوں تو ان کا اچھوتوں کے ساتھ ہمدردی کے ساتھ ریزولیوشن پاس کر دینا محض نمائشی چیز ہے۔ اسلام اس قسم کی منافقت کو نہایت سختی کے ساتھ مطعون کرتا ہے۔ اسلام پیدائش یا پیشہ کی بنا پر چھوت چھات کی تعلیم نہیں دیتا۔ وہ صرف مسلم ہی نہیں بلکہ ہر ایک غیر مسلم کے ہاتھ کا تیار کیا ہوا ایسا کھانا کھا لینے کی اجازت دیتا ہے جو اسلام میں حلال طیب ہو۔ اسلام کی دینی کتاب قرآن مجید نے نہایت صاف الفاظ میں اس بات کی اجازت دیدی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمان عیسائی یہودی اور ہندو کے ہاتھ کا پکا ہوا ایسا کھانا جسکے کھانے کی اسلام نے اجازت دے رکھی ہے۔ آج بھی کھلے طور پر کھاتا ہے۔ اور وہ ان سے چھوت چھات نہیں کرتا۔ یہ اسی اعلیٰ تعلیم کا نتیجہ ہے۔ کہ ہندوستان کے ۷ کروڑ مسلمانوں میں ایک بھی اچھوت نہیں ہے۔ حالانکہ اسکے مقابلہ میں ۲۲ کروڑ ہندوؤں میں ۷ کروڑ ہندو اسوقت تک اچھوت ہیں۔ گویا ہر تین ہندوؤں میں ایک اچھوت ہو۔ اگر ان اچھوتوں کے ساتھ اس چھوت چھات کو بھی شامل کر لیا جائے۔ جو کہ ہندو مسلمان کے لئے روا رکھتا ہے۔ تو ہندوستان میں اچھوتوں کی تعداد ۱۵ کروڑ ہو جاتی ہے۔ کوئی انسانی حکومت اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ ۱۵ کروڑ انسانوں کی قسمت کی باگ ڈور ایسے طبقہ کے ہاتھ میں دیدے۔ جو اپنے آپ کو سورج اور چاند کی اولاد سمجھکر ۱۵ کروڑ خاکی انسانوں کے ہاتھ کا پانی

تک پینے کے لئے تیار نہ ہو۔ عزیزانِ وطن! غور تو کرو کہ چھوت چھات کتنی بڑی لعنت ہے۔ جو ہندوستان کے سر پر سوار ہے۔ کیا اگر اسلام اس چھوت کی لعنت سے ہندوستان کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ تو تم اس بنا پر اسکی مخالفت کرو گے۔ کہ ہندوستان کو مذہب کی ضرورت نہیں ہے؟ ہندوستان میں رہنے والوں میں سے جن بزرگوں نے مذہب کی حقیقت اور الوہیت کو سمجھ لیا تھا انہوں نے چھوت چھات کو اسی طرح مطعون کیا جس طرح کہ اسلام نے بتایا تھا۔ سکھوں کے مقدس گوروؤں نے چھوت چھات میں مبتلا۔ ہندوؤں کو اس سے نکالنا چاہا۔ برہمو سماج کے لیڈروں نے چھوت چھات کو عملی طور پر ترک کر دیا تھا۔ مگر موجودہ برہمو سماجی اپنے ہندو ہموطن کی طرح مسلمان سے چھوت کرتا ہوا دیکھا جائیگا آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی کتب میں چھوت چھات کے برخلاف کافی سے زیادہ اپدیش موجود ہے۔ مگر آج اعلیٰ سے لیکر ادنیٰ آریہ سماجی تک مسلمان سے جس طرح چھوت چھات کرتا ہے۔ وہ ایک افسوسناک منظر ہے سوامی دیانند صاحب اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء میں لکھتے ہیں:۔

چھوت چھات کا مخالف آریہ سماج کا بانی سوامی دیانند

"جو لوگ کھانے پینے میں دھرم مانتے ہیں یا دھرم کا ناش مانتے ہیں وہ احمق انسان ہیں یہ تو صحیح ہے۔ کہ صداقت شعاری سے اشیاء کو حاصل کرے۔ اور انکو کھائے پیئے۔ تو ثواب ہے۔ اور اگر چوری چھل کپٹ کے ذرائع سے روٹی حاصل کرے۔ تو ضرور گناہ ہوتا ہے پس کھانے پینے میں جو تفرقے ہیں۔ وہ باہمی اختلاف۔ دکھ اور جہالت کے باعث ہیں۔ ان بکھیڑوں سے آریہ ورت میں مرد و عورت علم۔ طاقت عقل و اقبال سے محروم ہو گئے ہیں۔ .. پاک و صاف اشیاء کے کھانے سے کسی کی عاقبت یا دھرم نہیں بگڑتے ہاں علم و عقل کے نہ ہونے سے انسان ان بکھیڑوں میں پڑکر ہمیشہ دکھی رہتے ہیں اور اگر ایک دوسرے کی نیک صفات کی پیروی کریں تو سکھی ہو جائیں۔ اور دیکھنا چاہیئے کہ وقت پر بھوجن نہیں ملتا ہے بیلوں کی طرح کھانا پکا کیلئے برتنوں کو اٹھائے لادے پھرتے ہیں صفحہ ۲۴۵"

ظاہر ہے کہ سوامی دیانند نے مذکورہ بالا الفاظ میں ایک عام اصول کو بیان کیا جس میں ہندو مسلمان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اس نہایت اعلیٰ اصول کو ہمارے دوستوں نے قطعاً نظر انداز کر دیا ہے۔ اور سنیئے سوامی دیانند صاحب فرماتے ہیں:۔

"وہ جو اپنے ہی ملک میں رہنے اور دوسرے ملک میں جانے اور ان سے چھونے سے پرہیز

کرتے ہیں۔ وہ کوتاہ اندیش انسان ہیں۔ دیکھنا چاہیے کہ جو لوگ مسلمان اور انگریز سے چھونے میں عیب مانتے ہیں۔ مگر مسلمان یا انگریز کے ملک کی عورت سے سنگ کرتے ہیں۔ اور اپنے پاس گھر میں رکھ لیتے ہیں اور اس سے کچھ فرق نہیں رہتا۔ یہ بڑی جہالت کی بات ہے۔ مسلمان اور انگریز جو بڑے بھلے آدمی ہیں ان سے تو چھوت ماننا اور فاحشہ عورتوں سے چھوت نہ ماننا یہ محض جہالت کی بات ہے"۔ (سمولاس ۱۰ صفحہ ۲۴۲)۔

سوامی دیانند نے کیسا اعلیٰ اصول بیان فرمایا ہے کہ مسلمان اور انگریز جو بھلے آدمی ہیں۔ اُن سے تو چھوت چھات کرنا اور فاحشہ عورتوں سے چھوت نہ کرنا یہ محض جہالت کی بات ہے۔ برادران وطن! ذرا سوامی دیانند کے اس دردِ دل کا اندازہ تو کیجئے وہ کس طرح دلائل و براہین کے ذریعہ مسلمانوں سے نفرت کرنیوالے ہندوؤں کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں لڑ رہے ہیں بحث مباحثہ کر رہے ہیں شاستر ارتھ کر رہے ہیں۔ اور کس طرح وہ ہندوؤں کو ندامت دلا رہے ہیں۔ اور انصاف کیلئے اپیل کر رہے ہیں کہ مسلمانوں اور انگریزوں سے چھوت چھات مت کرو۔ انکو اتنا ذلیل تو نہ سمجھو۔ کہ انکی پوزیشن تمہارے نزدیک بازاری عورتوں کی سی بھی نہ ہو۔ فاحشہ عورتوں سے تم پرہیز نہ کرو۔ مگر مسلمان اور انگریز جو بھلے اور شریف آدمی ہیں۔ اُن سے پرہیز کرو۔ یہ تمہاری کتنی بڑی جہالت ہے مگر کیا سوامی دیانند نے اتنا ہی کہا ہے۔ کہ انگریزوں اور مسلمانوں سے چھوت چھات کرنا جہالت ہے بس آپکو یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ سوامی دیانند اس بات پر بھی زور دے رہے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ کھلم کھلا کھانا پینا بھی چاہیے۔ ذرا سوامی دیانند صاحب کی دلیل کا ملاحظہ فرمائیں سوامی جی فرماتے ہیں "یہ لوگ جب جگن ناتھ کے درشن کو جاتے ہیں تب چنڈال وغیرہ کا جوٹھا تک کھا لیتے ہیں وہاں سے آکر پھر اپنی پنکتی میں ملجاتے ہیں۔ اور حلوائی کی دوکان کا دودھ۔ دہی۔ اور مٹھائی وغیرہ کھاتے ہیں۔ وہ سب کا جھوٹا سمجھئے کیونکہ یہی لوگ مسلمان اور آبھیر وغیرہ ہوتے ہیں وہ اپنے گھڑے کا جھوٹھا پانی ملاتے ہیں۔ پھر اسکو سب کھاتے پیتے ہیں اور جانتے بھی ہیں پس صداقت کا ہی بول بالا ہوتا ہے جھوٹ کا کبھی نہیں۔ راجہ وغیرہ دولتمند لوگ فاحشہ عورتوں کو گھر میں رکھ لیتے ہیں۔ ان سے کچھ عیب نہیں رہتا انکو کوئی کچھ نہیں کہتا کیونکہ انکو تب کہیں جب وہ خود بے عیب ہوں پس اسی طرح ایک دوسر کے عیب کو چھپاتے جاتے ہیں اور اچھی باتوں کو چھوڑتے جاتے ہیں یہ سب بدکلی ہے

(سمولاس ۱۰ صفحہ ۱۴۲)

عزیزان وطن! آپ نے سوامی دیانند کی اس دلیل کو سنا کیسی مضبوط ہے۔ واقعی جس شخص نے حلوائی کی دوکان کا دودھ پی لیا۔ اور مٹھائی کھالی۔ گویا اُس نے مسلمانوں اور انگریزوں کا سب کا جھوٹا کھا لیا۔ وہ کیسے؟ سوامی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ گوالے مسلمان یا اہیر ہوتے ہیں وہ اپنے جھوٹے برتنوں میں دودھ دوہتے ہیں۔ ممکن ہے۔ وہ دودھ میں اپنے گھڑے کا جوٹھا پانی بھی ملا دیتے ہوں پس جس نے مسلمان گوالے کے جھوٹے برتن کا دودھ پی لیا اُس نے گویا مسلمان کا جھوٹا کھا پی لیا۔ اسی طرح گڑ شکر اور چینی جسقدر تیار ہوتی ہے وہ سب عام طور پر مسلمانوں یا عیسائیوں کے ذریعہ تیار کیجاتی ہے۔ جاوا۔ ماریشش۔ جرمنی۔ فرانس۔ امریکہ وغیرہ سے جسقدر کھانڈ تیار ہو کر آتی ہے اسکو بنانیوالے وہاں پر کونسے سارسوت یا گوڑ برہمن ہوتے ہیں۔ آخر وہ سب یا تو عیسائی ہوتے ہیں۔ یا وہاں کے دیسی باشندے۔ جو ہمارے ہاں کے اچھوت لوگوں کی طرح بری بھلی محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے ہیں انہی لوگوں کے ذریعے وہ لاکھوں کروڑوں من کھانڈ تیار ہو کر ہندوستان میں آتی ہے جس سے ہمارے ہندو دوستوں کی دکانیں اور گھر بار اٹے پڑے ہیں۔ وہ مزے لے لیکر کھاتے بھی ہیں۔ اور فروخت کر کے نفع بھی اُٹھاتے ہیں لیکن اگر اُن سے کہا جاوے۔ کہ انگریزوں اور مسلمانوں کے ہاتھ کی تیار کردہ کھانڈ تو کھاتے ہو۔ دال ترکاری بھی کھا لیا کرو۔ تو فرماتے ہیں۔ کہ کھانڈ میٹھی چیز ہے اور دال ترکاری کڑوی پس میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھوتھو۔ کیا یہ انصاف یا معقولیت ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی لئے سوامی دیانند صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جس شخص نے حلوائی کی دوکان سے دودھ۔ دہی یا مٹھائی کھا پی لئے۔ اُس نے گویا سارے جہان کا جھوٹا کھا لیا۔ سوامی دیانند صاحب نے تو یہ حوالہ بھی دیا ہے کہ جب یہ لوگ جگن ناتھ جی کے درشن کے لئے جاتے ہیں۔ تو وہاں چنڈال تک کا جھوٹا کھا لیتے ہیں۔ مگر جب وہاں سے باہر آتے ہیں۔ تو پھر ویسے کے ویسے ہی شدھ ہو تو! جگن ناتھ جی میں تو چنڈال تک کا جوٹھا کھا لینا۔ مگر وہاں سے باہر آ کر مسلمان کی ہوا تک سے بھی پرہیز کرنا کیا مسلمان چنڈالوں سے بھی گئے گذرے ہیں۔ ایک طرف تو اتنی نفرت۔ دوسری طرف اتنی کشش۔ اس قدر بے قدری اور بے چینی کہ اگر مسلمان ہندو کے ساتھ مل کر مخلوط انتخاب قبول نہیں کرتا۔ تو وہ قوم پرست اور ملک کا بہی خواہ

نہیں ہے۔ حیرت اور تعجب کا مقام ہے۔ کہ مسلمان ہندو کے ساتھ مخلوط انتخاب سے انکار کر دے۔ تو وہ وطن فروش۔ لیکن اگر ہندو مسلمان کے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی تک پینے سے انکار کر دے۔ اور اسکے ساتھ ایک ہی فرش پر بیٹھکر کھانا تک کھانے یا پانی تک پینے کے لئے تیار نہ ہو۔ تو وہ قوم پرست اور وطن دوست ہے۔ زمانہ کی اس نیرنگی اور بوالعجبی کو کماحقہ سمجھنے کے لئے ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ ہندوستان کے باشندے اسلام کا بغور مطالعہ کریں اور دیکھیں۔ کہ وہ کس طرح ہر ایک اس رکاوٹ کو اڑاتا چلا آرہا ہے۔ جو انسان کو انسان سے جدا کرتی ہو۔ چنانچہ وہ چھوت کی لعنت کا بھی قلع قمع کر رہا ہے۔ کیا ہندوستان کا یہ فرض نہیں ہے۔ کہ وہ اسلام کی اس شاندار خدمت کا اعتراف کرے اور اسکو عملی جامہ پہنانے کیلئے اسلام اور فرزندان اسلام کے دوش بدوش کھڑا ہو اگر مخلوط انتخاب کو بطور اصول کے تسلیم کر لینا وطن پرستی کی دلیل ہے۔ تو مخلوط کھان پان سے انکار کرنا یا چھوت چھات قائم رکھنا کھلے معنوں میں وطن فروشی ہے۔ عزیزانِ وطن! ذرا غور کرو۔ کہ جب تم آزاد ممالک کے طریقہ انتخاب کو بطور مثال کے پیش کر کے

جداگانہ انتخاب کا ذمہ وار کون ہے؟

مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کے لئے کوستے ہو۔ تو کیا تم نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا۔ کہ جن آزاد ممالک کے مخلوط انتخاب کا تم حوالہ دیتے ہو۔ ان میں سے کسی ملک میں اس قسم کی حماقت بھی موجود ہے جیسی کہ ہندوستان میں چھوت چھات کی شکل میں موجود ہے متمدن اور مہذب دنیا کے لئے یہ ایک چیستان اور معما ہے کہ مدراس ہائیکورٹ کا برہمن جج اسی ہائیکورٹ کے مسلمان جج کے ساتھ ایک میز پر بیٹھکر کھانا کیوں نہیں کھا سکتا قانون دان دنیا اس معمے کو حل کرنے سے قاصر ہے۔ کہ کیوں الہ آباد ہائیکورٹ کا برہمن وکیل اسی ہائیکورٹ کے مسلمان وکیل کے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی نہیں پی سکتا۔ اور پھر سب سے زیادہ تعجب اس ذہنیت پر ہے۔ جو مدراس ہائیکورٹ کے برہمن جج یا الہ آباد ہائیکورٹ کے برہمن وکیل کو اس بات پر دلیر کرتی ہے۔ کہ وہ مسلمان کے سر پر علیحدگی کا الزام تھوپ کر اپنے آپ کو قوم پرست اور وطن دوست ظاہر کرے۔ عزیزان وطن! ممکن ہے۔ ہندو اس کا یہ جواب دے۔ کہ تم ہندو کی چھوت چھات پر شکایت کیوں کرتے ہو۔ جبکہ یہ امر واقعہ ہے۔ کہ اکثر صورتوں میں ایک ذات کا ہندو دوسری ذات کے ہندو کا

چھوا ہوا پانی نہیں پی سکتا۔ اگر چھوت چھات کے ڈیفنس میں یہی جواب دیا جا سکتا ہو تو یہ اور بھی افسوسناک ہے کیونکہ جو قوم چوکہ چوکہ اپنے تک میں جداگانہ انتخاب پر کاربند ہو۔ وہ مسلمان کو مخلوط انتخاب کی دعوت کے قبول نہ کرنے پر طعون کیونکر کر سکتی ہے۔ عزیزان وطن! مسلمان کو ہندو سے دور کرنیوالے جسقدر بواعث ہیں۔ اُن میں سے چھوت چھات نمایاں درجہ رکھتی ہے مجھے چھوت چھات ماننے والے لوگوں سے جب کبھی

چھوت چھات کے حق میں بوسیدہ دلائل

اس سے متعلق گفتگو یا مناظرہ کرنیکا اتفاق پڑا ہے تو انہوں نے اس کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ دی ہے۔ کہ مسلمان چونکہ گوشت کھاتے ہیں۔ اس لئے ہندو قوم ان سے چھوت کرتی ہے حالانکہ یہ دلیل نہایت بوسیدہ ہے اسلئے کہ خود ہندو سوسائٹی کا بہت بڑا حصہ گوشت خور واقع ہوا ہے۔ برھمو سماجی اور سکھ بہ حیثیت مجموعی گوشت خور ہیں۔ مگر ہندو ان سے چھوت چھات نہیں کرتے آریہ سماج کا ایک فریق ہی ماس پارٹی کے نام سے مشہور ہے۔ اور وہ گوشت خوری کو معیوب نہیں گردانتا۔ مگر اس فریق سے تعلق رکھنے والے بھی مسلمانوں سے چھوت چھات کرتے ہیں اس بات کا کیا علاج کہ جو لوگ گوشت خوری کی بنا پر مسلمانوں سے چھوت چھات کی آڑ لیتے ہوں۔ خود اُن کی دینی کتب میں گوشت خوری کا جواز ملتا ہے مسلمان سے گوشت خوری کی بنا پر چھوت چھات کرنیوالے اس بات کا یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ گوشت خوری کے جواز میں جس قدر تعلیم ہماری کتب میں موجود ہے۔ وہ ملاوٹی ہے اور کہ گوشت خوروں کی طرف سے الحاق کردہ ہے۔ دوسرا شخص کہہ سکتا ہے کہ گوشت خوری کے برخلاف جسقدر تعلیم ہے۔ وہ الحاقی ہے۔ اور وہ لوگوں کی طرف سے اضافہ کی گئی ہے۔ جو کہ گوشت خور نہیں تھے۔ بہرکیف اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے کہ چھوت چھات کو گوشت خوری کی آڑ میں قائم رکھا یا جائز قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ میں منو کے دھرم شاستر یا منوسمرتی کے چند ایک حوالہ جات پیش کرتا ہوں منوجی اپنی سمرتی کے پانچویں ادھیار میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

۱۱۔ کچا گوشت کھانیوالے۔ گاؤں کے رہنے والے۔ شاستروں میں نہ بتائے ہوئے ایک کھروالے جانوروں کا گوشت نہ کھائے۔

۱۲۔مرغابی ہنس۔چکوا۔گاؤں کا مرغا۔سارس۔چل کوّا۔پپیہا۔طوطا۔اور مینا کا گوشت نہ کھائے ٭

۱۳۔جو چونچ سے کھانیوالے۔ناخن سے نوچکر کھانیوالے۔پانی میں ڈبکی لگاکر مچھلی کھانیوالے جانور۔ذبح کرنے کی جگہ کا گوشت۔اور خشک گوشت نہ کھائے ٭

۱۴۔بگلا۔بطخ۔سیاہ زاغ۔مولا مچھلی کے کھانیوالے۔غلاظت خور سور کا گوشت نہ کھائے ٭

۱۵۔جو جس جانور کا گوشت کھاتا ہے۔وہ اُس کا گوشت کھانیوالا کہلاتا ہے۔جیسے مچھلی سب کا گوشت کھاتی ہے۔جو مچھلی کھاتا ہے۔وہ گویا سب کا گوشت کھاتا ہے۔اس لئے مچھلی نہ کھائے ٭

۱۶۔پاٹھی اور روہو۔یہ دو مچھلی ہوم کے قابل سمجھی گئی ہیں۔اسلئے کھانیکے قابل ہیں۔مہاشیر۔ٹنڈا اور سب موٹی کھال والی مچھلیاں کھانے کے قابل ہیں ٭

۱۷۔جو جاندار اکیلے رہتے ہیں۔اور جو جانے ہوئے نہیں ہیں۔اور جو پانچ ناخن والے ہوتے ہیں۔وہ سب ناخوردنی ہیں ٭

۱۸۔سیہہ۔شلک۔گوہ۔کچھوا۔خرگوش۔یہ سب حلال ہیں۔اونٹ کو چھوڑکر ایک طرف دانت والے بھی سب حلال ہیں ٭

۱۹۔کھمب۔گاؤں کا سور۔لہسن۔گاؤں کا مرغا۔پیاز۔گاجر یہ سب اشیاء اگر کوئی دوج کھائے تو پتت ہو جاتا ہے ٭

۲۲۔یگہ اور نوکروں کی خوراک کے لئے برہمن کھانے کے لائق جانوروں کو ماریں کیونکہ اس سے پہلے اگست منی نے بھی ایسا کہا تھا ٭

۲۳۔کیونکہ زمانہ قدیم کے رشیوں اور برہمن کھشتریوں کے یگہوں میں کھانے کے لائق جنگلی چرندوں اور پرندوں کی دعوتیں ہوا کرتی تھیں ٭

۲۷۔اگر برہمن گوشت کھانا چاہیں۔تو یگہ میں شُدھ کرکے کھائیں۔اور جان بچانے کی خاطر کھائیں۔تو حسب ترکیب استعمال کریں ٭

۲۸۔پرجاپتی نے یہ تمام خوراک پران دھاری کے لئے بنائی ہے۔ساکن اور متحرک تمام اشیاء پران دھاری کی خوراک ہیں ٭

۲۹۔متحرک کی خوراک غیر متحرک۔ دانت والوں کی خوراک بغیر دانت والے ہاتھ والوں کی بغیر ہاتھ والے بہادروں کی ڈرپوک خوراک بنائے ہیں ؎

۳۰۔کھانے کے قابل اشیاء کو کھاتے ہوئے کھانے والے کو کوئی گناہ نہیں ہوتا۔کیونکہ خدا نے ہی کھانے والوں کو اور کھائے جانے کے قابل اشیاء کو پیدا کیا ہے ؎

۳۱۔یگیہ (قربانی) میں گوشت کھانا دیوتاؤں کا طریقہ ہے۔ اور بغیر یگیہ کے کھانا راکششوں کا طریقہ ہے ؎

۳۲۔مول لیکر یا خود مار کر یا کسی دوسرے سے لیکر دیوتا اور پتروں کو چڑھا کر گوشت کھانا گناہ ہیں ؎

۳۳۔اطمینان کی حالت میں کھانے کی ترکیب جاننے والا دوِج بغیر ترکیب کے گوشت نہ کھائے کیونکہ جو کوئی بغیر ترکیب کے گوشت کھاتا ہے۔ مرنے کے بعد وہ اسکا گوشت کھاتے ہیں۔جتنا گوشت اُس نے کھایا ہے ؎

۳۴۔جو کوئی روزگار کی خاطر جانوروں کو ذبح کرتا ہے۔اُس کو اتنا پاپ نہیں ہوتا۔جتنا کہ پتروں کو چڑھانے کے بغیر گوشت کھانے والے کو ہوتا ہے

۳۵۔اگر کوئی شخص مدھوپرک اور شرادھ میں باقاعدہ بنائے ہوئے گوشت کو نہ کھائے۔تو وہ مرنے کے بعد اکیس مرتبہ جانوروں کی جون میں پیدا ہوتا ہے

۳۶۔جو جانور منتر پڑھکر ذبح نہیں کیئے گئے۔ دوِج لوگ انکا گوشت کبھی نہ کھائیں اور اُن ہی کا کھائیں۔جن کو یگیہ میں وید منتروں کے ذریعہ پاک کیا گیا ہو۔

۳۷۔اگر گوشت کھانے کی خواہش ہو۔تو گھی یا میدہ کا جانور بنا کر باقاعدہ استعمال کرے۔مگر دیوتاؤں کے چڑھاوے کے بغیر جانوروں کو کبھی نہ مارے ؎

۳۸۔جو کوئی دیوتاؤں کو چڑھاوے کے بغیر جانور کو مارتا ہے۔ وہ مرنے کے بعد اتنی ہی دفعہ دوسروں سے مارا جاتا ہے۔جتنے کہ اسکے جسم پر بال ہوتے ہیں ؎

۳۹۔برہما نے تمام حیوان یگیہ کے لیئے پیدا کیئے ہیں۔اسلیئے یگیہ میں حیوان کا مارنا مارنا نہیں ہے ؎

۴۰۔نباتات۔حیوانات۔ درخت۔کچھوا۔اور جانور اگر یگیہ کے لیئے مارے جائیں

تو اعلیٰ جنم کو حاصل کرتے ہیں ؟

۴۱۔ مدھوپرک۔ یگیہ۔ اور شرادھ اور دیو کرم ان میں جیوان کو مارے۔ اور کسی مطلب کے لئے نہیں ؟

۴۲۔ ویدوں کا مطلب جاننے والا دوج مدھوپرک وغیرہ میں جیوانی قربانی کرتا ہوا اپنے آپ کو اور جیوان کو دونوں کو اعلیٰ مدارج پر پہنچاتا ہے ؟

گوشت خوری کے جواز میں مذکورہ بالا دو درجن سے زیادہ شلوک منو دھرم شاستر کے پانچویں ادھیائے کے ہی درج کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب معمولی پایہ کی نہیں ہے۔ بلکہ ہندوؤں کے مقدس ترین مقنن منو مہاراج کی سمرتی کہلاتی ہے۔ یہ کوئی نایاب کتاب بھی نہیں ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ ہم نے خود اس کتاب کا مکمل و مفصل اُردو ترجمہ شائع کر دیا ہے۔ اس ادھیائے کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی گوشت خوری کی اجازت دی گئی ہے۔ اور کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ کن جانوروں کا گوشت حلال ہے۔ اور کن کا حرام ہے۔ اگر ہندو دھرم نے گوشت خوری کو گناہ سمجھا ہوتا تو کم از کم اس کے دھرم شاستروں میں اس کے جواز میں کوئی شلوک نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ متعدد ہندو شاستروں میں گوشت خوری کا جواز ملتا ہے۔ نہ صرف زندہ انسانوں کے لئے۔ بلکہ جو مر گئے ہیں اُن کے نام پر بھی گوشت کے پنڈ یا کوفتے کھلانے کی تعلیم ہے۔ تاکہ مختلف قسم کے جانوروں کے گوشت سے بزرگوں کی ارواح کو لذت و سیری حاصل ہو۔ بزرگوں کی ارواح کو کن جانوروں کے گوشت سے کتنے عرصہ تک سیری رہتی ہے اس کی تفصیل منو مہاراج نے اپنے دھرم شاستر کے تیسرے ادھیاء کے مفصلہ ذیل شلوکوں میں درج کی ہے ؟

۲۶۶۔ جس پدارتھ کے دینے سے پتروں کی بہت عرصہ کے لئے بے حد سیری ہوتی ہے۔ اسکا مفصل حال آگے لکھا جاتا ہے ؟

۲۶۷۔ تل دھان۔ جو۔ اڑد کی دال۔ جل۔ مول۔ او پھل باقاعدہ دینے سے پتر ایک ماہ تک سیر رہتے ہیں ؟

۲۶۸۔ مچھلی کے گوشت سے دو مہینے تک۔ ہرن کے گوشت سے تین مہینے

تک۔ بینڈھے کے گوشت سے چار ماہ تک۔ دیگر جانوروں کے گوشت سے چار ماہ تک سیر رہتے ہیں۔

۲۶۹۔ بکرے کے گوشت سے چھ مہینے تک۔ چتر ہرن کے گوشت سے سات مہینے تک ابن نامی ہرن کے گوشت سے آٹھ مہینے تک۔ اور رُورُو ہرن کے گوشت سے نو مہینے تک۔

۲۷۰۔ بھینسے کے گوشت سے دس مہینے تک۔ خرگوش اور کچھوے کے گوشت سے گیارہ مہینے تک

۲۷۱۔ گائے کے دودھ یا اُس کی کھیر سے ایک برس تک۔ اور لمبے کان والے بکرے کے گوشت سے بارہ سال تک ترپت رہتے ہیں۔

۲۷۲۔ کال شاک۔ اور مہا شاک نامی مچھلیوں کے گوشت سے گینڈے لال بکرے، شہد۔ اور منیوں کے اناج سے بے حد سیری ہوتی ہے۔

منو مہاراج کے دھرم شاستر کے تیسرے ادھیائے کے مذکورہ بالا شلوک اس بات پر کافی روشنی ڈال رہے ہیں۔ کہ گوشت زندوں کے علاوہ مُردوں کے نزدیک بھی کس قدر لذیذ و مرغوب چیز مانی گئی ہے۔ ہندوؤں کا بیشتر حصہ منو دھرم شاستر کو مقدس مانتا ہے اور اس میں کسی قسم کی تحریف یا ملاوٹ کا قائل نہیں ہے۔ گوشت خوری کے متعلق آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کے بیان کو پڑھ لینا بھی ضروری ہے۔ سوامی دیانند کے لئے ہمارے دل میں خاص عزت ہے۔ سوامی صاحب نے ہندوؤں کے مقدس شہر بنارس میں جب پہلی دفعہ ۱۸۷۵ء میں اپنی مشہور و معروف کتاب ستیارتھ پرکاش شائع کی تھی۔ تو اس میں انہوں نے جن الفاظ میں گوشت خوری پر بحث کی تھی۔ وہ نہایت واضح اور مدلل تھی۔ چنانچہ انہوں نے بھکش ابھکش یا خوردنی و ناخوردنی اشیاء کے متعلق دسویں باب میں جو بحث کی ہے۔ اس کے ایک حصہ کا لفظی ترجمہ بدیں الفاظ ہے۔

خوردنی و ناخوردنی اشیاء

"خوردنی و ناخوردنی اشیاء دو قسم کی ہوتی ہیں ایک تو طبی کتب کی رو سے۔ دوسرے مذہبی

کتب کے لحاظ سے طبی کتب کے قاعدہ کے مطابق صرف ان اشیاء کا استعمال کرنا چاہئے جو ملک، موسم، اشیا اور اپنے جسم کی نشو و نما کے موافق ہوں۔ تاکہ جسم میں طاقت عقل۔ توانائی اور صحت کی ترقی ہو۔ اس قسم کی اشیا کھانے کے قابل ہیں یہی مسئلہ طبی کتب میں بھی لکھا ہے اور "ابھکشو گرامیہ شوکر۔ ابھکشو گرامیہ ککٹا" وغیرہ دھرم شاستر سے ناخوردنی اشیا کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ گاؤں کا سوئر اور مرغا عموماً غلاظت ہی کھاتا ہے۔ اسی کا نتیجہ گوشت ہوگا۔ اس کے کھانے سے جسم میں بدبو ہوگی۔ اس سے بیماری پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اور طبیعت بھی ناخوش ہوگی اسی طرح دھرم شاستر کی رو سے بھی شراب ناخوردنی ہیں جتنے جیوان انسانوں کے لئے مفید ہیں۔ انکا گوشت ناخوردنی ہے۔ اور بنا ہوم کے اناج اور گوشت بھی ناخوردنی ہے۔

معترض۔ ایک جیوان کو مار کر آگ میں جلانا۔ اور پھر کھانا یہ کچھ اچھی بات نہیں اور جیوان کو تکلیف دینا تو کسی کو بھی مناسب نہیں۔

جواب۔ اس میں کیا گناہ ہے؟

معترض۔ اس میں گناہ ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ جیووں کو ایذا دیکر اپنا پیٹ بھرنا دھرماتماؤں کا قاعدہ نہیں۔

جواب۔ اچھا اگر جیو کو مارنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ تو سب کا موتنا ہی چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ آنکھ کے جھپکنے سے بھی لطیف جسم والے جیووں کو تکلیف پہنچتی ہے! اور اگر کوئی تمہارے گھر میں چوری کرے۔ تو تم اسکو ضرور تکلیف دوگے۔ اور تم جو کھانے پر سے مکھی وغیرہ اڑا دیتے ہو۔ اس میں مکھی کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اور تم جو کچھ کھاتے پیتے۔ چلتے اور اٹھتے بیٹھتے ہو۔ اس عمل سے بھی بہت سے جیووں کو ایذا پہنچتی ہے۔ اس سے تمہارا یہ کہنا کہ کسی جیو کو ایذا نہیں دینی چاہئے محض فضول ہے۔

معترض۔ جس فعل سے بالارادہ کسی کو ایذا پہنچتی ہو۔ ہم لوگ اس میں پاپ گنتے ہیں۔ ان دیکھے میں کبھی نہیں۔ کیونکہ اگر ان دیکھے میں پاپ گنیں تو ہمارا کاروبار ہی نہ چلے۔

جواب۔ آپ لوگ ایسا ہی جانیں کہ جہاں اپنا مطلب ہو۔ وہاں تو پاپ نہیں گنتے ہو۔ یہ بات دلیل کے برخلاف ہے۔ اور اگر کوئی بھی گوشت نہ کھائے۔ تو جانور

پرند۔ مچھلی اور آبی جانور جس قدر اب ہیں۔ ان سے لاکھوں گنا زیادہ ہوجائیں پھر وہ انسانوں کو مارنے لگ جائیں۔ اور کھیتوں میں اناج نہ ہونے دیں۔ اس طرح سب انسانوں کی خوراک کے برباد ہوجانے سے سب انسان ہی فنا ہوجائینگے اور شیر وغیرہ گوشت خور درندے بھی ان ہرن وغیرہ کو کھاتے ہیں۔ اور گائے وغیرہ کو بھی کھاتے ہیں۔ مگر انسانوں کو یہ چاہئے کہ گائے بیل بھینس بکری۔ بھیڑ اور اونٹ وغیرہ جیوانوں کو کبھی نہ ماریں۔ کیونکہ انہی سے سب انسانوں کی روزی چلتی ہے۔ دودھ وغیرہ چکنی اشیاء ہیں وہ سب اعلیٰ ہوتی ہیں۔ اور ایک حیوان سے بہت سے انسانوں کی روزی چلتی ہے۔ مارنے سے جہاں سو انسان سیر ہوتے ہیں وہاں اس گائے وغیرہ جیوانوں میں سے ایک گائے کی حفاظت سے دس ہزار انسانوں کی حفاظت ہوسکتی ہے۔ اس لئے ان جیوانوں کو کبھی نہ مارنا چاہئے۔

معترض۔ ان جیوانوں کے نہ مارنے سے ان کے بہت ہوجانے سے سب زمین بھر جائیگی۔ پھر بھی تو انسانوں کا نقصان ہونے لگیگا۔

جواب۔ ایسا نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ شیر وغیرہ درندے اُن کو مارینگے۔ اور کتنے بیماریوں سے بھی مرینگے۔ اس سے بیشمار نہیں ہونے پائینگے۔ اور انسانوں کے مارنے سے زمین وغیرہ پیداوار اور جیوانوں کی افزائش بھی برباد ہوجاتی ہے۔ اسلئے جہاں جہاں گومیدھ وغیرہ لکھے ہیں۔ وہاں وہاں جیوانوں میں نروں کا مارنا لکھا ہے۔

جیوانوں کی قربانی

اس لئے اسی مقصد کو مدنظر رکھکر گومیدھ لکھا ہے نر انسان کو مارنا کہیں نہیں لکھا۔ کیونکہ جیسی تقویت بیل وغیرہ نروں میں ہے۔ ایسی مادائوں میں نہیں ہے۔ اور ایک بیل سے ہزاروں گائیں حاملہ ہوتی ہیں۔ اس سے نقصان بھی نہیں ہوتا۔ اسی لئے لکھا ہے۔ دوگھا تو بندھیہ جیوا گرہنیائے۔ یہ برہمن کی شرتی ہے۔ اس میں صنیمر سے بچانا چاہتا ہے۔ کہ بیل وغیرہ کو مارنا گائے کو نہیں۔ وہ بھی گومیدھ آدک یگیوں میں ورنہ نہیں کیونکہ بیل وغیرہ سے بھی انسانوں کا بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اس سے ان کی بھی حفاظت کرنی چاہئے اور جو بانجھ گائے ہوتی ہے اس کو بھی گومیدھ میں مارنا لکھا ہے۔ ستعمل پشتم

اگھنے - وا دنم - انڈوا - ہوما لبھیت'' - یہ برہمن کی شرتی ہے - اس میں ضمیر مؤنث اور مستعمل پرشٹ دفر پنیت صفاتی لفظ سے بانجھ گائے لیجاتی ہے - کیونکہ بانجھ گائے سے دودھ اور بچھڑوں کی پیدائش نہیں ہوتی - اور جو شخص گوشت نہ کھائے - تو دودھ اور گھی وغیرہ پر گذارہ کرے - کیونکہ گھی - دودھ وغیرہ سے بہت طاقت ملتی ہے - پس جو کوئی گوشت کھائے - یا گھی وغیرہ پر گذارہ کرے - وہ سب آگ میں ہوم کئے بغیر کھائیں - کیونکہ جیو کو مارنے کے وقت تکلیف ہوتی ہے - اس سے کچھ پاپ بھی ہوتا ہے اس لئے جب آگ میں ہوم کرینگے تب مذکورہ بالا طریقہ سے گوشت کے اجزاء لا پنچڑی کے پھیلنے سے تمام جیو دھکو سکھ پہنچیگا - ایک جیو کو تکلیف دینے سے جو پاپ ہوا تھا - وہ بھی تھوڑا سا سمجھا جائیگا - اسکے سوا کچھ نہیں (اصلی ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء سمولاس ۱۰

سوامی دیانند کی کتاب ستیارتھ پرکاش کے مذکورہ بالا مضمون سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی ہے - کہ سوامی دیانند گوشت خوری کا مؤید تھا - اور اس کے حق میں سوامی دیانند نے جو دلائل دیئے ہیں - وہ بھی لاجواب ہیں - اس میں شک نہیں کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اسکو تکلیف ہوتی ہے لیکن سوامی دیانند اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب یگیہ اور ہوم کے لئے جانور کو ذبح کیا جائیگا تو اس سے دنیا بھر کے متنفسوں کو فائدہ پہنچیگا پس اگر ایک جانور کے ذبح کرنے سے ہزاروں لاکھوں کا کلیان ہوتا ہو تو اس سے جانور کو ذبح کرنیکی تکلیف یا گناہ کا کفارہ بھی ساتھ ہی ہو جائیگا - یہ کیسی لاجواب دلیل ہے - پھر اسی ستیارتھ پرکاش کے بارھویں سمولاس میں سوامی دیانند نے جینیوں کے گوشت نہ کھانیکا جن الفاظ میں کھنڈن کیا ہے وہ بھی لاجواب ہے چنانچہ سوامی دیانند لکھتے ہیں

''جین لوگ ایسا بھی کہتے ہیں - کہ جین دھرم ہی سچا ہے باقی سب ہنسک یا بیدین ہیں - کیونکہ جو ہنسا کرتے ہیں - وہ دھرماتما نہیں - جو یگیہ میں حیوان ذبح کرتے ہیں یا ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں - کہ یگیہ میں جو حیوان ذبح کیا جاتا ہے - اگر وہ سورگ

گوشت خوری کے حق میں دلائل

کو جاتا ہو - تو کیوں نہ اپنے باپ کو مار ڈالا جائے ان لوگوں نے سورگ میں جانے کے لئے ایسے ایسے شلوک بنا رکھے ہیں +

''ترپو - ویدسیہ - کرتارو - دھورت - بھانڈ - نشاچرا''

اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ ایشور کے متعلق جتنی باتیں وید میں ہیں۔ وے دھورتوں کی بنائی ہوئی ہیں جتنی پھل استتی دسزا وجزا کے متعلق ہیں۔ یعنے لوگ اس یگیہ کو کریں۔ تو سورگ کو جائیں۔ یہ بات بھانڈوں نے بنا رکھی ہے۔ اور وید میں جو بدا با جیوالوں کو گوشت خوری کے لئے مارنے کے متعلق ہیں۔ وہ سب راکششوں نے بنائی ہیں۔ پس جو جین مت ہے وہی سناتن ہے۔ اور یہی سچا دھرم ہے۔ اسکے بغیر نہ تو کسی کی نجات ہو سکتی ہے۔ نہ کسی کو سکھ مل سکتا ہے۔ جو جین لوگ ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں انسے پوچھنا چاہیئے۔ کہ تم لوگ ہنسا کس کو کہتے ہو۔ اگر وہ یہ کہیں۔ کہ کسی جیو کو تکلیف دینا ہنسا ہے۔ تو کسی کو بغیر تکلیف دئے کسی شخص کا کوئی بھی کام دنیا میں نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ (جین) لوگوں کے ہی مت میں لکھا ہے۔ کہ پانی کے ایک قطرہ میں بیشمار جیو ہیں خواہ اُسکو لاکھ مرتبہ چھانا جاوے تو بھی وہ جیو پانی سے الگ نہیں ہو سکتے اس پر بھی پانی ضرور ہی پیا جاتا ہے۔ اسی طرح بھوجن وغیرہ کھایا اور آنکھ وغیرہ کے جھپکنے کا فعل بھی ضرور ہی کیا جاتا ہے تو پھر تمہارا اہنسا دھرم تو قائم نہ رہا ؛

معترض۔ جتنے جیو بچائے جاتے ہیں۔ ان کو ہم بچاتے ہیں جنکو ہم لوگ دیکھتے ہی نہیں۔ انکی ایذا میں ہم لوگوں کو کوئی گناہ نہیں ؛

جواب۔ ایسا ہی عمل سب انسانوں کا ہے۔ جو گوشت خور ہیں۔ وہ بھی گھوڑا وغیرہ مفید جیوالوں کو بچا لیتے ہیں۔ ویسے ہی تم لوگ بھی ایسے جیووں کو بچا لیتے ہو جن سے تمہارے کاروبار کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں جہاں تمہارا اپنا مطلب پورا ہوتا ہو۔ وہاں تم اور تو اور انسانوں تک کو نہیں بچاتے ہو پھر تمہاری اہنسا کہاں ہے؟

معترض۔ انسان وغیرہ کو گیان ہے۔ گیان سے وہ جرایم کرتے ہیں۔ اسلئے ان کو تکلیف دینے میں کچھ گناہ نہیں۔ مگر پشو وغیرہ جیو بے گناہ ہیں۔ ان کو تکلیف دینا مناسب نہیں ؛

جواب۔ تم لوگوں کی یہ بات خلاف واقعہ ہے کیونکہ گیان والوں کو تکلیف دینا اور گیان سے بے بہرہ جیوالوں کو تکلیف نہ دینا اجہل لوگوں کی بات ہے۔ اسلئے کہ جتنے ذی نفس جسم دار ہیں۔ اُن میں سے انسان نہایت ہی افضل ہے پس انسانوں کو فائدہ پہنچانا اور انکو تکلیف نہ دینا سب کا فرض ہے جیسا کہتے ہیں عداوت کے پیرو پاس جی کے لوگ شاستر

بھاشیہ میں لکھا ہے "سروتھا سروا سربھوتیشون۔ بدروہا۔ اہنسا" یہ اہنسا دھرم کی تعریف ہے۔ اسکا یہ مطلب ہے۔ کہ ہر طرح سے ہر زمانہ میں ہر نفس سے عداوت کا ترک کرنا ہی اہنسا کہلاتا ہے۔ مگر آپ لوگ اپنے مذہب والے سے تو محبت کرتے ہو۔ اور دوسرے مذہب والوں سے منفرت کرتے ہو۔ نہ صرف یہی بلکہ وید وغیرہ ست شاستروں میں ایشور تک سے آپ لوگوں کو عداوت اور دشمنی ہے پس تمہارا اہنسا دھرم محض کہنے کے لئے ہی ہے۔ اپنے مذہب والوں کی کتابیں یا اُن کی بات بھی غیر لوگوں کے پاس ظاہر نہیں کرتے ہو۔ یہ بھی آپ لوگوں کی بڑی بھاری ایذا رسانی ہے۔ اور آپ لوگ جو یگیوں کے بارے

حیوانی قربانی کے عظیم الشان فوائد

میں اعتراض کرتے ہیں۔ وہ محض علم طبعیات (سائنس) کے اصولوں کو نہ جاننے کی وجہ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر تم گھی دودھ اور گوشت وغیرہ کے کماحقہ اوصاف جانتے ہوتے اور تمہیں یہ بھی پتہ ہوتا۔ کہ یگیہ کے قابل حیوانوں کو مارنے سے جو تھوڑا سا دکھ ہوتا ہے اس سے تمام عالم کو کتنا لاانتہا فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر تم ان باتوں کو جاننے والے ہوتے تو تم کبھی یگیہ کے بارے میں اعتراض نہ کرتے۔ تو وید کا کماحقہ مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے تم ایسی باتیں کہتے ہو کہ یہ باتیں ویدوں میں بھانڈ۔ دھورت اور نشاچروں نے لکھی ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء سمولاس ۱۲) ٭

مذکورہ بالا مضمون میں سوامی دیانند نے نہایت معقول اور لاجواب پیرایہ میں جینیوں کے گوشت خوری اور حیوانی قربانی کے برخلاف جملہ اعتراضات کا نہ صرف رد کر دیا ہے بلکہ ایسی اتمام حجت کی ہے۔ کہ وہ اس کا کوئی جواب ہی نہیں دے سکتے سوامی دیانند نے سائنس کی رو سے حیوانی قربانی کو تمام دنیا کے لئے "اتینت اُپکارک" یعنے لاانتہا فائدہ پہنچانے والی چیز بتایا ہے ٭

اسی ستیارتھ پرکاش میں سوامی دیانند نے پاراشر سمرتی کے اس قول کی نہایت زبردست تردید کی ہے جس میں یہ لکھا ہے۔ کہ گھوڑے کی قربانی۔ گائے کی قربانی سنیاس لینا اور گوشت کا پنڈ دان کرنا۔ اور بیوہ سے دیور کا اولاد پیدا کرنا کل یُگ میں منع ہے سوامی دیانند نے نہایت زبردست دلائل سے ثابت کیا ہے۔ کہ ان پانچ باتوں پر جنکو پاراشر سمرتی میں ممنوع قرار دیا گیا ہے ہر زمانہ میں عمل کرنا چاہئے۔ انکو کسی صورت میں بھی

ترک نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ ان پر عمل کرنے سے سنسار کا بڑا اُپکار (فائدہ) ہوتا ہے۔ نہ کہ کسی قسم کا پاپ۔ چنانچہ سوامی دیانند کا استدلال مفصلہ ذیل ہے:۔

"اور جو یہ بات کہتے ہیں۔ کہ "کلو۔ پاراشرا سمرتی" انکا یہ قول نہایت ہی مہمل ہے۔ کیونکہ دواپر کے آخر میں ویاس جی نے منوسمرتی کا ہی پرمان لکھا ہے۔ اور جو سچی بات ہوتی ہے اس کا ہر زمانہ میں پرمان ہوتا ہے۔ اس میں مطلق شک نہیں ہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کلو (کل جگ) میں پاراشری سمرتی کا پرمان ہے۔ انکی بات بے بنیاد ہے اور پاراشری سمرتی کے شروع میں یہ بات لکھی ہے۔ کہ رشی لوگوں نے ویاس جی کے پاس جاکر پوچھا کہ آپ ہم سے ورن آشرم کا دھرم کماحقہ بیان کریں۔ ویاس جی نے ان سے کہا کہ میں ورن آشرم دھرم کو کماحقہ نہیں جانتا ہوں۔ اس لئے میرے باپ پاراشر سے چل کر پوچھو۔ وہ سب دھرموں کا کماحقہ بیان کرینگے۔ پھر انکے پاس جاکے سب لوگوں نے یہی سوال کیا۔ اور پاراشر جی ان سے بیان کرنے لگے۔ اسی میں پاراشر جی نے "کلو۔ پاراشرا سمرتاہ" بھی کہا۔ اب اس میں غور کرنا چاہئے۔ کہ جب ویاس جی کو سب شاستروں کا علم تھا تو کیا وہ ورن آشرم دھرم کو نہیں جانتے تھے بیشک وہ ضرور جانتے تھے۔ اور پاراشر اپنے منہ سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ کلو میں پاراشر کے فرمودہ دھرم کو ماننا۔ یہ مہمل بات ہے۔ اور اسی میں ایسے ایسے فضول شلوک لکھے ہیں۔ کہ کوئی عقلمند ان کو پرمان نہیں مان سکتا۔ جیسے کہ

پنستوپی۔ دوشجا۔ سرنشچگونہ چہ شنو در دجستند ربا
نرگھف۔ اوائی گوؤ پوجیا۔ نہ چہ دگدہ دتی خری
اشتوا لموا۔ گوالنبا۔ سنیاسم۔ پل پیستر کم۔
دیوراچہ ستوا تپتم۔ کلوؤ پنچ وور جیت

اب دیکھنا چاہیے۔ کہ جو بدکردار ہوتا ہے۔ وہی رذیل ہوتا ہے۔ بدکردار کبھی افضل نہیں ہوگا۔ اور جو مرتاض یعنے اعمال صالح کرنیوالا انسان ہے۔ وہ رذیل کیسے ہوگا ہرگز نہیں ہوگا۔ اور گائے تو محض حیوان ہے کیا حیوان کی پوجا کرنا مناسب ہے؟ ہرگز نہیں ہاں اس کی پوجا تو یہی ہے کہ گھاس پانی وغیرہ سے اسکی پرورش کرے۔ وہ بھی دودھ وغیرہ کی تحصیل کے لئے۔ ورنہ نہیں۔ اور گدھی کی پوجا بھی ایسی

ہی ہوتی ہے جسکو مطلب ہوتا ہے۔ وہ اپنے مطلب کی تحصیل کے لئے ایسا کرتا ہی ہے۔ اور دوسرا اشوالمبن یعنی اشومیدھ (گھوڑے کی قربانی) گوالمبن یعنی گومیدھ (گائے کی قربانی) اور سنیاس لینا۔ اور گوشت کے پنڈ دان۔ اور بدھوا سے دیور کے نیوگ سے فرزند پیدا کرنا یہ پانچ ہر زمانہ میں کرنے چاہئیں۔ ان کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہئے۔ ان سے سنسار کا بڑا اوپکار (فائدہ) ہے اور ان میں کچھ پاپ نہیں۔ اسکے کہنے سے اجامیدھ آدک (بکری وغیرہ کی قربانی) کا ترک کرنا مراد نہیں ہے۔ اور اشومیدھ اور گومیدھ کا جو کرنا ہے۔ اس سے سنسار کا بڑا اوپکار ہے۔ سو پہلے کہدیا ہے (اور یہ جو کہتا ہے کہ سنیاس کا تیاگ کرے۔ تو کیا پھر وہ پاکھنڈ کریگا۔ جیسے کہ ویراگی وغیرہ کرتے ہیں۔ اس سے تو سنسار کی بڑی ہانی ہوگی۔ اس لئے سنیاس کا ہونا ضروری ہے۔ اور گوشت کے پنڈ دینے میں تو کچھ پاپ نہیں کیونکہ "یداناّ۔ پرشا لوکے سند اناّ۔ پتر دیوتا" یہ مہا بھارت کا وچن ہے۔ جو پدارتھ آپ کھائے اس سے پانچ مہا یگیہ کرے۔ یعنی پتری یگیہ۔ دیو پوجا بھی اسی سے کرے یعنی شرادھ اور ہوم اسی کا کرے۔ بدھو پرک۔ بیاہ وغیرہ اور گومیدھ آدک یگیہ اور دیو پتری کارج ایسے جو گوشت کو کھاتا ہو تو اس کے لئے گوشت مہیا کرنے کی صراحت موجود ہے۔ اسی طرح گوشت کے پنڈ دینے میں بھی کوئی پاپ نہیں۔ دیور یا جیٹھ سے نیوگ کی ترکیب لکھدی گئی ہے۔ اسکو جان لینا۔ یہ کہنا کہ کل جگ میں ان پانچوں باتوں پر عمل نہ کرنا چاہئے سراسر فضول ہے۔ (اصلی ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء سمولاس ۴ ص ۴۲)۔

سوامی دیانند کی کتاب ستیارتھ پرکاش کے مذکورہ بالا اقتباسات سے مفصلہ ذیل باتوں پر روشنی پڑتی ہے:۔

اول۔ ایسے جانور ذبح نہ کئے جائیں جن کی عدم موجودگی سے انسان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مثلاً ایسی گائے جو دودھ یا بچھڑے دیتی ہو۔ ذبح نہ کی جاوے۔ ہاں بانجھ گائے جو نہ دودھ دیتی ہے نہ بچھڑے۔ ذبح کی جا سکتی ہے۔

دوم۔ حتی المقدور یا وہ جانوروں کو ذبح نہ کیا جاوے۔ بلکہ نروں کو مارا جائے کیونکہ نروں کا گوشت بھی طاقتور ہوتا ہے۔ اور وہ دودھ وغیرہ بھی نہیں دیتے۔

سوم۔ گائے بکری کے بہت بڑے ریوڑوں کو جا کر ہنکے لئے چند ایک نر کافی

ہوسکتے ہیں۔ اس سے نہ بکرے۔ یا بیل ذبح کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہوسکتا

چہارم۔ حیوانی قربانی سے چونکہ دنیا جہان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اسلئے یہ عین فطرتی فعل ہے۔ اسکو کبھی بند نہیں کرنا چاہئے۔

پنجم۔ گوشت خوری تقاضا فطرت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اگر جانوروں کو گوشت کیلئے نہ مارا جاوے تو وہ اسقدر لاتعداد ہو جائینگے۔ کہ انسانوں کی زندگی معرض خطر میں پڑ جائیگی۔

ششم۔ جو لوگ گوشت خوری میں ہنسا کے قائل ہیں وہ اجہل ہیں۔ کیونکہ اہنسا یا کسی کو تکلیف نہ دینا قطعاً ناممکن العمل ہے۔

ہفتم۔ ذبح کرتے وقت جانور کو جو تکلیف ہوتی ہے۔ چونکہ وہ تکلیف دیگر مخلوق کی عظیم الشان بہبودی کا باعث بنتی ہے۔ اسلئے دوسروں کے فائدہ کیلئے برداشت کی گئی تکلیف گناہ نہیں۔ بلکہ عین ثواب ہے۔

ہشتم۔ ایسے جانوروں کا گوشت نہیں کھانا چاہئے۔ جو غلاظت کھاتے ہوں کیونکہ غلاظت خور جانوروں کا گوشت بھی صحت کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔

نہم۔ گوشت بنا ہوم کئے نہ کھایا جاوے۔ یا دوسرے الفاظ میں گوشت کو گھی اور دیگر خوشبودار مصالحوں میں ملا کر آگ پر خوب بھونا جاوے۔ اس طرح سے ہوم کئے گئے گوشت کے اجزاء جب ارد گرد کی ہوا کو معطر کرتے ہوئے ہزاروں انسانوں کے دماغ میں پہنچینگے۔ تو انکے نفخے مانند سے با پژمردہ دماغ کو بھی تر و تازہ کرنے کا باعث ہونگے پس ہوم کیا ہوا گوشت کھانا یہ سائنٹفک طریقہ تمام جہان کو از حد فائدہ پہنچانے والا ہے۔ اور یہ عین علم طبعیات کے مطابق ہے۔

دہم۔ اناج بھی بغیر ہوم کئے نہ کھانا چاہئے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اناج کو خواہ گھی میں کتنا ہی بھونا جاوے۔ مگر اس سے اردگرد کے شخصوں کے دماغ میں وہ روح پرور خوشبو نہیں جائیگی۔ جو کہ گوشت کی ہنڈیا کے مصالحہ دار سالگری کے ساتھ بھونے یا ہوم کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے ہوم کیا ہوا گوشت دیوتاؤں اور پتروں کی خوشنودی کا باعث مانا گیا ہے۔

الغرض سوامی دیانند نے حیوانی قربانی اور گوشت خوری کے جواز میں خاطر

گوشت کا ہوم کرتے ہیں جو دلائل دئے ہیں وہ دلچسپی سے مطالعہ کئے جانے کی چیز ہیں۔ منو دھرم شاستر اور سوامی دیانند کی کتاب کے اقتباسات دینے کا مدعا گوشت خوری کی آڑ میں مسلمانوں سے چھوت چھات کے مسئلہ پر روشنی ڈالنا ہے۔ ہندو کو اختیار ہے۔ کہ اگر وہ مسلمان سے گوشت خوری کی بنا پر ہی چھوت چھات کو قائم رکھنا چاہتا ہو۔ تو وہ منو دھرم شاستر کے ان شلوکوں کو الحاقی کر دے۔ اسی طرح آریہ سماجی کو حق حاصل ہے۔ کہ اگر وہ مسلمان سے چھوت چھات ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تو وہ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی کتاب کے اس حصے کو الحاقی فرض کر لے۔ لیکن اگر مسلمان ہندو کو یہ کہے۔ کہ جب تم میری گوشت خوری کی بنا پر مجھے اس قدر اپوتر یا ناپاک سمجھتے ہو کہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے یا پانی پینے کے لئے تیار نہیں ہو تو میں مخلوط انتخاب میں تم سے اشتراک عمل کر کے تم سے فلاح و بہبودی کی توقع کیونکر رکھ سکتا ہوں۔ تو اس صورت میں ہندو کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ کہ وہ مسلمان کو جداگانہ انتخاب کے مطالبہ پر مورد الزام ٹھیرائے۔ عزیزانِ وطن! میرا مدعا تمہارے سامنے مناظرہ کی طرح ڈالنا نہیں ہے۔ بلکہ چھوت چھات کی مضرت کو عیاں کرنا ہے۔ اور اس بات پر روشنی ڈالنا ہے کہ اگر چھوت چھات گوشت خوری کی بنا پر روا رکھی جاتی ہو۔ تو اس کا قیام کیونکر حق بجانب ہو سکتا ہے۔ حل طلب سوال تو اتنا ہی ہے۔ کہ آیا ہندوستان کی نجات کے لئے ذات پات اور چھوت چھات مفید ہو سکتی ہے۔ یا وہ اخوت و مساوات جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے؟ مجھے امید ہے کہ تم نہایت ٹھنڈے دل کے ساتھ اس پر غور کرو گے اور صحیح نتیجہ پر پہنچو گے۔

اَنوارِ اسلام

بیان کا تیسرا حصہ

اسلام اور آزادی

عزیزانِ وطن! اپنے بیان کے پہلے حصہ میں میں نے اسلام کے ذہنی پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ دوسرے حصہ میں اسلام کے عملی پہلو کا کسی قدر ذکر کیا ہے۔ یہ نہایت مختصر خاکہ ہے۔ جو میں نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ تم جو مذہب کی طرف سے اور اسلام کی طرف سے لاپرواہ ہوکر وطن عزیز کی آزادی کے متمنی ہو۔ اور اس کے لئے ہر ایک بڑی سے بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے ہو۔ مگر پھر بھی تمھیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ تو آخر اس کی وجہ کیا ہے تم اس کی وجہ ہندو مسلم مناقشات کو قرار دیتے ہو۔ تمہارا یہ خیال بالکل صحیح ہے مگر کیا تم نے یا تمہارے لیڈروں نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا۔ کہ ہندو مسلم مناقشات کو دور کرنے کا نہایت صحیح، نہایت آسان اور نہایت سادہ اور سیدھا راستہ کونسا ہے؟ تم نے اور تمہارے لیڈروں نے اس کا حل یہ سوچا کہ اگر دونوں قومیں کانگریس میں شریک ہو جائیں۔ تو یہ مناقشات مٹ سکتے ہیں۔ مگر تمہارا یہ حل غلط ثابت ہوا۔ اسلئے کہ باوجود کانگریس میں شریک ہونے کے ہندو اور مسلمان کے دل کی باہمی بدگمانی اور بدظنی دور نہیں ہو سکی۔ اور کانگریس میں شرکت کرنیوالوں کے درمیان بدستور سابق مناقشات قائم رہے۔ مسئلے کے حل کرنے کیلئے یہ سیاسی پہلو تھا۔ جو اختیار کیا گیا اور ناکام رہا۔ اب اگر

تم مناسب سمجھو اور پسند کرو تو اس مسئلہ کا حل مذہبی پہلو سے بھی کر کے دیکھ لو اس کے لئے نہ تو تمھیں کسی قسم کی مالی قربانی کرنے کی ضرورت ہے۔ نہ ہی جانی قربانی کی حاجت ہے۔ نہ ہی سول نافرمانی کی ضرورت ہے۔ نہ ہی جیلخانے بھرنے کی حاجت۔ صرف دماغ کے ایک گوشے میں ذرا سی وسعت کر لینے سے ہندو مسلم مناقشات کا یک قلم خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہندوستان کی آزادی بلکہ مکمل آزادی خود بخود تمہارے قدم چومتی پھرے گی۔ تم اسی آزادی کو حاصل کرنے کے لئے کہیں کارل مارکس کا فلسفہ ڈھونڈھتے پھرتے ہو کہیں لینن کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہو۔ کہیں کمیونزم کی پناہ لینا چاہتے ہو کہیں ہٹلر ہی۔ گیری بالڈی اور نپولین بوناپارٹ کے کارناموں پر نظر دوڑاتے ہو مگر تم نے اور تمھارے لیڈروں نے کبھی بھول کر بھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ تم ذرا اس نظریہ پر بھی تجربتاً کچھ وقت خرچ کر ڈالو جو تمھارے عین دروازہ پر موجود ہے۔ اور جو دنیا بھر میں آزادی حاصل کرنے کا بہترین اور آسان ترین نظریہ ہے۔ اور ایسا بے خطا نسخہ ہے۔ کہ جس پر عمل کرنے سے سالوں مہینوں یا ہفتوں تک انتظار کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دنوں اور گھنٹوں میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ۳۵ کروڑ آبادی شجر و حجر و بقر کی پرستش ترک کر کے ایک ہی زندہ اور قادر مطلق خدا کے سامنے سر نیاز کو خم کر دے۔ اور خدائے قادر و قیوم کی پرستش کے سوا کسی دوسری چیز کو اپنا خدا ماننا قطعاً ترک کر دے۔ اسی قادر و قیوم خدا کے برگزیدہ بندوں نے کبھی اور کسی زمانہ اور کسی ملک اور کسی زبان میں اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے کی جو تعلیم دی ہو۔ اس تعلیم اور اس کے معلموں کی قدر و منزلت کرے اور انکی اہانت کو قطعاً ترک کر دے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں کا تعلق صرف دماغ یا ذہن سے ہے اس ذہنیت کے بعد نہ مسلمان کی طرف سے جداگانہ انتخاب کی صدا سننے میں آ سکتی ہے۔ نہ ہی نشستوں کے تعین کا جھگڑا رہ سکتا ہے۔ اسلئے کہ مسلمان اگر جداگانہ انتخاب یا نشستوں کے تعین پر ضد کرتا ہے یا مرکز میں اپنی اہمیت پر زور دے رہا ہے تو محض اسلئے کہ اس کا دل ہندو کی اس ذہنیت سے بدظن اور بدگمان ہے کہ جس ذہنیت میں شجر و حجر و بقر کے لئے تو جگہ عزت اور تقدیس موجود ہے مگر جس توحید اور رسالت کا مسلمان گرویدہ ہے۔ اس توحید اور رسالت کے لئے صرف یہی نہیں کہ ہندو کے دماغ میں کوئی جگہ عزت یا تقدیس کا جذبہ موجود نہیں ہے۔ بلکہ حقارت و نفرت کے

جذبات ابھرتے ہیں۔ اور ان کے جذبات کی آگ بھڑکائی جاتی رہی ہے۔ اسی بات نے
مسلمان کے دل میں ہندو کی طرف سے علیحدگی کے خیالات پیدا کئے۔ اگر ہندو اپنے دماغ
میں کسی قدر وسعت پیدا کر لے۔ اور توحید و رسالت کے مسئلے کو سمجھ لے۔ تو مسلمان ہمیشہ کیلئے
ہندو کا وفادار دوست بن سکتا ہے اور دوست رہ سکتا ہے۔ مگر کیا کانگریس نے اپنے چالیس سالہ
پروگرام میں یا کانگریس کے صدروں نے اپنے خطبات صدارت میں کبھی ہندو مسلم اتحاد و اتفاق کی
تحصیل کے لیے اس آسان ترین راستہ کی طرف اشارہ کیا۔ یا اپنی قوم کو اس طرف آنے کی دعوت
دی؟ کیا کبھی مہاتما گاندھی نے پنڈت موتی لال نہرو یا سی۔ آر۔ داس نے اپنے اپنے خطبات صدارت
میں ہندو مسلم اتحاد و اتفاق کے لئے کبھی بھول کر بھی اس طرف اشارہ کیا۔ کہ ملک اور قوم کو اسی
حی و قیوم خدا کی پرستش کرنی چاہیئے جو ہم سب کا خالق و مالک اور رازق و محافظ ہے۔ کیا ان
لیڈروں نے کہا یا کبھی کہا یا اس بات پر زور دیا۔ کہ ہندو مسلمان دونوں کو متفق و متحد ہو کر
شجر و حجر و بقر کی پرستش کو جس نے ہندو کو مسلمان سے الگ کر رکھا ہے۔ اس ملک سے قطعاً
خارج کر دینا چاہیئے؟ اس سوال کا جواب نفی میں ہے اور قطعاً نفی میں ہے۔ ایسی حالت
میں اے عزیزان وطن! وہ قوم جو شجر و حجر و بقر کی حکومت کے جوئے کو گردن سے
اتارنے کے لیے تیار نہ ہو۔ وہ انگریز کی حکومت کا جوا گردن سے کیونکر اتار سکتی ہے؟ کیا
انگریز پیپل کے پتے اور گائے کے سینگ جتنی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ یقیناً انگریز ان
چیزوں سے جو آج ہندوستان کی ذہنیت پر حکومت کر رہی ہیں۔ زیادہ طاقتور زیادہ
سمجھدار اور زیادہ مدبر ہے جس ملک کی ذہنیت پر پیپل کا پتہ یا گائے کا سینگ حکومت کر
سکتا ہو اس ملک پر اگر انگریز حکومت کر رہا ہے۔ تو تعجب یا افسوس کی کونسی بات ہے۔ تعجب
اور افسوس کی بات تو یہ ہے۔ کہ کانگریس یا کانگریس کے لیڈروں نے ہندو مسلم اتفاق و
اتحاد کی صحیح بنیاد کو نظر انداز کر کے اپنے دامن کو جھاڑوں اور کانٹوں میں الجھا رکھا ہے۔
اور وہ صراط مستقیم سے بے انتہا دور جا پڑے ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ باوجود اتنی جدوجہد
اور اس قدر قربانیوں کے وہ ساحل مراد سے کوسوں دور ہیں۔ حالانکہ آزادی اور مکمل
آزادی کا راز صرف ان دو جملوں میں پوشیدہ تھا اور پوشیدہ ہے۔ یعنی اِیَّاكَ نَعْبُدُ
وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" اگر ہندوستان کی ذہنیت خس و خاشاک کی پرستش سے پاک
ہو کر اسی حی و قیوم خدا کے سامنے جھک جائے۔ تو ہندو مسلم اتفاق و اتحاد کا راستہ

صاف ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی مکمل آزادی کا راستہ بھی کھل جاتا ہے

ہندو مسلم اتحاد کا دوسرا طریقہ

عزیزان وطن! تم کہو گے کہ یہ نہایت مشکل ہے کہ ہندوستان سے بت پرستی کو خارج کیا جاسکے۔ بہت اچھا صاحب۔ اگر ہندوستان سے بت پرستی خارج نہیں کی جاسکتی تو مسلمان کے دل میں ہندو کی طرف سے جو بدگمانی ہے، اس کا خارج ہونا بھی از حد مشکل ہے۔ اسلئے کہ اسلام کی تواریخ یہ بتلاتی ہے کہ اس نے ہمیشہ بت پرستی کے برخلاف آواز بلند کی، اور کفر و شرک و طغیان و عدوان کو مٹایا یہانتک کہ اگر کسی وقت اس کو غیر مسلم بت پرستوں اور غیر مسلم خدا پرستوں میں سے کسی ایک کی حکومت کے انتخاب کی ضرورت لاحق ہوئی تو اس نے غیر مسلم بت پرستوں کی حکومت پر غیر مسلم خدا پرستوں کی حکومت کو ترجیح دی۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام نے بت پرستان مکہ کی حکومت کے زیر سایہ رہنے کی بجائے فرزندان توحید کو اجازت دیدی کہ وہ ابی سینیا کی غیر مسلم مگر خدا پرست مسیحی حکومت میں چلے جائیں۔ اور انھوں نے خود بھی اس بات کو پسند کیا کہ جن بت پرستوں کی حکومت میں ان کو اپنے قادر و قیوم خدا کی پرستش اور اس کے احکام کی تعمیل کی اجازت نہ ہو۔ وہ اس حکومت سے ہجرت کر جائیں۔ جب ہندوستان کا مسلمان اسلامی تواریخ کی روشنی میں۔ ان حقائق و شواہد کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور دوسری طرف اس ہندو ذہنیت پر نظر مارتا ہے جس کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ تو اس کے دل میں ہندو کی طرف سے بے انتہا بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ ہندو سے الگ تھلگ رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اگر ہندو بت پرستی سے نجات حاصل کر کے مسلمان کے دل سے یہ بدگمانی دور کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو ایک دوسرا راستہ بھی ہے۔ اگر وہ اس کو ہی اختیار کرلے۔ تو مسلمان کی اس بدگمانی کا کافی حد تک ازالہ ہو سکتا ہے۔ وہ راستہ بھی نہایت سہل اور نہایت سادہ ہے اور بہت مختصر سا ہے۔ میں اس کا ذکر "انوار عالم" میں کرچکا ہوں۔ جہاں میں نے ایک "نگار آمد نتیجہ" کے عنوان سے بت پرستی۔ چھوت۔ چھات۔ گوشتخوری۔ حیوانوں کی قربانی۔ شدھی یا ارتداد اور مسجدوں کے سامنے باجہ نوازی کو ہندو مسلمانوں میں جھگڑے کی بنا ظاہر کرتے ہوئے ان کے حل پر روشنی ڈالی ہے۔ اگر ہندو ان امور مابہ النزاع

کامنو کے دھرم شاستر کے مطابق مسلمان کے ساتھ فیصلہ کرے۔ تو اس صورت میں بھی ہندو مسلم کا اتفاق و اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ اور آزادی کا راستہ آسانی کے ساتھ کھل سکتا ہے۔ لیکن اگر ہندو ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی کاربند ہونے کے لئے تیار نہ ہو۔ تو اس کو یہ حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ مسلمان کو قوم فروشی کا طعنہ دے۔ یا اس پر وطن فروشی کا آوازہ کسے۔ عزیزانِ وطن! میں نے جہاں کہیں بھی ملک و ملت کے مفاد کی خاطر ان دونوں طریقوں سے مسلمانوں سے اپیل کی ہے۔ تو انھوں نے بیک زبان میری اپیل کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ اگر ہندو ان دونوں طریقوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو بھی اختیار کر لیں۔ تو مسلمان جداگانہ انتخاب کے مسئلہ سے قطعاً دست بردار ہو جائیگا۔ اور اس صورت میں وہ ہندو سے کسی خاص مراعات کا بھی مطالبہ نہیں کرے گا۔ عزیزانِ وطن! کیا ہندو مسلم اتحاد کا یہ نزدیک ترین راستہ نہیں ہے؟ اور کیا ہندو کا یہ فرض نہیں ہے۔ کہ اگر وہ درحقیقت آزادی کا متمنی ہے۔ تو وہ ان دونوں میں سے کسی ایک راستہ کو اختیار کر لے مسلمان اس کا ساتھ دیگا۔ لیکن اگر وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی اختیار کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔ اور وہ اس بات پر تیار ہے۔ کہ وہ مسلمان سے چھوت چھات کریگا۔ اور پیپل کے پتے یا گائے کی دم کی خاطر مسلمان سے ہمیشہ جھگڑا کریگا۔ اور وہ مسجدوں کے سامنے باجا بجانے سے احتراز نہیں کریگا۔ یا مسلمان کو خدائے واحد کی پرستش سے ہٹا کر اپنے بتوں کی پوجا کے لئے مرتد بنائیگا۔ تو اس صورت میں مسلمان کا دل ہندو کی طرف سے کیونکر صاف ہو سکتا ہے۔ عزیزانِ وطن! اس کے مقابلہ میں تم یہ کہو گے۔ کہ مسلمان کو یہ حق کیونکر حاصل ہے۔ کہ وہ ہندو کو بت پرستی سے منع کرے یا اُس کو چھوت چھات سے روکے۔ یا گاؤں کی قربانی پر اصرار کرے۔ یا باجہ بجانے کے برخلاف احتجاج کرے۔ میرے عزیزو! میں اس کا جواب یہ دوں گا۔ کہ مسلمان کو یہ حق ایک تو اسکے دین اور دینی کتاب نے دیا ہے۔ دوسرے مسلمان کے اس حق کی تائید منو کے دھرم شاستر سے ہوتی ہے جس کا میں نے تمہارے سامنے ذکر کیا ہے۔ پس ہندو اگر ان جملہ امور میں اس فیصلہ کو تسلیم کرے جو کہ منو دھرم شاستر کر رہا ہے

کھرے پن سے یہ ملاوٹ اچھی ہے

تو مسلمان کا دل ہندو کی طرف سے مطمئن ہو جائیگا۔ لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ
جب ہندو کے سامنے اس کے اپنے دین و دھرم کی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ تو وہ
اس کو "ملاوٹ" کہہ کر رد کر دیتا ہے۔ حالانکہ اگر ایک لمحہ کے لیئے اس کو ملاوٹ ہی فرض
کر لیا جاوے۔ تو یہ ملاوٹ ہندوستان کی آزادی کے حق میں اکسیر ثابت ہو سکتی
ہے۔ اس لئے کہ یہ ملاوٹ جو ہندوستان کی دو عظیم الشان قوموں کو متفق و متحد بنانے
کا ذریعہ ہو سکتی ہو۔ اس "کھرے پن" سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جو ان دونوں قوموں کو
ایک دوسرے کا دشمن بنانے کا ذریعہ ہو۔ مگر میں اس کو ملاوٹ تسلیم نہیں کر
رہا ہوں۔ اس لئے کہ منو کے دھرم شاستر میں ملاوٹ کا ماننا ہندو قوم کی دیانتدار
پر شبہ کرنا ہے۔ اور اس خیال کے لیئے راستہ کھولنا ہے۔ کہ جو قوم اپنے جدامجد کے
قانون میں تحریف کر سکتی ہے۔ وہ کسی ایسے معاہدہ کیلئے کیونکر وفادار رہ سکتی ہے
جو مسلمان کے حقوق کی حفاظت کے لیئے کانگریس کی طرف سے تجویز کیا جا سکتا ہو
عزیزان وطن میرا تمام زور اس بات پر ہے۔ کہ میں تمہارے اس خیال کی تردید کر سکوں
کہ وطن عزیز کی آزادی کے رستے میں مذہب یا اسلام ایک رکاوٹ ہے۔ اور کانگریس
کے نوجوانوں کو مذہب سے آزاد ہو جانا چاہیئے۔ میرے نزدیک مذہب کے برخلاف
یہ جذبہ نہایت ہی مضر جذبہ ہے۔ مذہب کے برخلاف جنگ کرنے سے صرف
یہی نہیں۔ کہ کانگریس کی ہستی معرض خطر میں پڑ جائیگی بلکہ اس سے ہندو مسلم منافقت
میں بھی بیحد اضافہ ہونے کا احتمال ہے۔ اسی لیئے میں اوراق عالم کے صفحات میں تم سے
پر زور اپیل کر چکا ہوں۔ کہ تم مذہب کی حقیقت و اہمیت پر غور کرو۔ اور اب میں تمہارے
سامنے اسلام کا ذہنی اور عملی پہلو پیش کر کے تم سے استدعا کرتا ہوں۔ کہ تم اس پر بھی
غور کرو۔ اور سوچو۔ کہ اسلام نے کس شد و مد کے ساتھ بنی نوع انسان میں اتفاق
و اتحاد کے لیئے خدائے واحد کی پرستش کو نصب العین قرار دیا ہے۔ اور کس طرح
اس نے دنیا بھر کے برگزیدہ انسان کو ایک ہی سلسلہ میں منسلک کر کے اپنا بنا
لیا ہے۔ اور کس طرح اسنے عملی طور پر چھوت چھات کو اڑا دیا ہے۔ اور پیدائش اور پیشہ کی
بنا پر قائم کردہ ذات پات کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اخوت و مساوات کا علم بلند کیا ہے۔
اور کس طرح اس نے اپنی عبادتگاہ کا دروازہ ہر ایک خدا پرست کیلئے کھول دیا ہے۔ اور اپنے

دسترخوان کا دامن ہر ایک انسان کیلئے یکساں بچھا دیا ہے۔ کس طرح اس نے خدا کی عبادت میں مزدور اور سرمایہ دار کو، بادشاہ اور رعایا کو، امیر اور غریب کو شانہ بشانہ اور پہلو بہ پہلو کھڑا رہنے کا حق دے کر کیونزم کی صحیح بنا قائم کی ہے۔ مزدوروں، کسانوں یا غریبوں محتاجوں کی روپیہ پیسہ سے مدد کرتے وقت کس طرح اس نے سود در سود کے چکر کو اڑا کر اور سرمایہ داروں پر زکوٰۃ کے مسئلہ کو فرض ٹھہرا کر صحیح معنوں میں اشتراکیت کا سبق پڑھایا ہے۔ تم اس بات کا مطالعہ کرو۔ کہ کس طرح اسلام نے ابتدائے آفرینش سے ہی خلیفۃ الارض کے انتخاب میں رائے عامہ کو پکارا۔ اور ہر ایک رائے دہندہ کو آزادی کے ساتھ اظہار رائے کا موقع دیا۔ اور پھر اس بات کا بھی مطالعہ کرو۔ کہ کس طرح اسلام نے خاندان یا موروثیت یا پیدائش کی بنا پر نہیں بلکہ صلاحیت کی بنا پر اولی الامر کے انتخاب کا فیصلہ کر کے صحیح معنوں میں جمہوریت کا دنیا کے سامنے معیار قائم کیا۔

عزیزان وطن! میں تم سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ تم آزادی کی دھن میں اس تنکے کی مانند مت بنو کہ جس کو دریا کی ہر ایک موج تھپیڑے مار کر جدھر لیجانا چاہے۔ ادھر ہی کو وہ بہتا چلا جائے۔ بلکہ تم اس ڈریڈناٹ کی مانند ہو۔ کہ جو دریا کی موجوں کے رحم پر نہیں بلکہ اپنے پروقار لنگر پر قائم رہتا۔ اور اپنے موج شکن بل بوتے پر سمندر کے سینہ کو اپنی جولانگاہ بناتا ہے۔ عزیزان وطن! اگر تم اسلام کو اچھی طرح سمجھ لو۔ تو تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ اسلام تمہیں ہوا کے ہر ایک جھونکے سے اڑ جانیوالا اس تنکا بننے کی تعلیم نہیں دیتا۔ بلکہ وہ تمہارے اندر وقار اور اعتماد کی طاقتوں کو بیدار کر رہا ہے۔ اسلام کو سمجھ لینے کے بعد تمہیں اس بات کی ضرورت نہیں رہ سکتی۔ کہ تم بالشوزم۔ اشتراکیت یا سوشلزم کی ادھوری تعلیم اور نہایت نامکمل فلسفہ کو دیکھ کر سراسیمگی کے عالم میں مذہب یا اسلام کے برخلاف ہی سراسیمہ زدہ کی طرح پھڑپھڑانے لگ پڑو۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں اس وقت جس قسم کا مدوجزر برپا ہے۔ وہ اکناف عالم کو چاروں طرف سے سمٹا کر مرکز اسلام کی طرف لا رہا ہے۔ اور دنیا بڑی سرعت کیساتھ ان جملہ قیود و امتیازات کو مٹاتی چلی آ رہی ہے جو انسان کو انسان سے الگ کرنے کے علاوہ اس کو اپنے خالق و مالک سے بھی دور کرنے کا باعث بن رہے تھے۔

میرے عزیزو! اسلام کے حق میں میرے ڈیفنس کو سن کر ممکن ہے۔ تم یہ

سوال کرو۔ کہ اگر اسلام ملکوں اور قوموں کو بام ترقی پہ پہنچانیوالا اور آزادی دلانے والا ہے۔ تو آج مسلمان کیوں قعر مذلت میں گرے پڑے ہیں۔ میں تمہارے اس سوال کا جواب یہ دوں گا۔ کہ اسلام جن اصولوں کو پیش کر رہا ہے۔ وہ ان میں کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ اگر اسلام کا نام لینے والا مسلمان اسلام کے اصولوں کا عامل نہیں ہے۔ تو وہ اس دوڑ میں اس غیر مسلم سے یقیناً پیچھے رہجائیگا جو اسلام کا عامل ہے۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان نہ کہتا ہو۔ کیونکہ پانی اُسی کی پیاس کو دور کرتا ہے۔ جو اس کو پی لیتا ہے۔ جو پانی کے گلاس کو ہاتھ میں پکڑ کر ہی کھڑا رہتا ہے۔ اور اس کو پیتا نہیں ہے۔ وہ پانی رکھ کر بھی پیاسا رہے گا۔ ملکوں۔ قوموں یا افراد کی ترقی اور اُسکی آزادی کا راز کفر میں مضمر نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں پوشیدہ ہے۔ اس لئے کہ کفر تاریکی ہے۔ اور اسلام روشنی ہے۔ پس میں تم سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ تم اسلام کی روشنی میں حقائق عالم کا آنکھیں کھول کر مطالعہ کرو۔ شہاب ثاقب جو برسات کے موسم میں آناً فاناً روشنی کی ایک باریک سی لکیر آسمان پر چھوڑتے ہی غائب ہو جاتا ہے۔ تمہاری رہبری کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ رہبری کے لئے مستقل روشنی کی ضرورت ہے عزیزان وطن! اس بات کو بخوبی سمجھ لو کہ اسلام کی روشنی شہاب ثاقب کی سی روشنی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک مستقل نور ہے۔ جو ابتدائے آفرینش سے تا ایں دم دنیا کو روشن کرتا چلا آرہا ہے۔ اور روشن کرتا چلا جائے گا حی و قیوم خدا تمہیں توفیق دے۔ کہ تم اس حقیقت پر غور کرو۔ اور اس نور سے اپنے قلوب کو منور کرو۔

تمہارا خیر اندیش

قاضی محمود مہرپال

لدھیانہ یکم نومبر ۱۹۳۱ء

غازی محمود دھرمپال صاحب بی۔اے لدھیانہ کی تالیفات و تصنیفات

۱۔ انوارِ عالم۔ اس کتاب میں غازی صاحب نے لامذہبیت کے مقابلہ پر مذہب کی حقیقت و اہمیت پر ایسے لاجواب پیرایہ میں بحث کی ہے کہ اسکا مطالعہ کرکے سینکڑوں نوجوان جو لامذہبیت کے طوفان میں بہتے چلے جارہے تھے۔ مذہب کی ضرورت و اہمیت کے سامنے سر جھکانے کیلئے مجبور ہوگئے۔ ملک کے ہر ایک گوشہ میں اس نادر کتاب کی تعریف کی جارہی ہے۔ اور اخبارات نے اس پر بہترین ریویو کئے ہیں۔ "انوار عالم" لامذہبیت کی تاریکی کو دور کرنے کے لئے اسم بامسمیٰ ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی شخص مذہب کا منکر رہ سکے۔ مذہب اور خاص کر اسلام کے شیدائیوں کو خصوصیت سے اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ قیمت

۲۔ اساس الاسلام۔ غازی صاحب کی جملہ تصانیف میں سے اساس الاسلام بہترین تصنیف ہے۔ اسمیں کفر و اسلام یا تثلیث و اسلام پر چار حصوں میں مکمل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب چار سو صفحات میں اکتیس ابواب پر ختم ہوئی ہے نئی روشنی کے تعلیم یافتہ اگر اسلام کا نئی روشنی میں مطالعہ کرنا چاہتے ہوں۔ تو ہندوستان بھر میں فی زمانہ اساس الاسلام سے بہتر کوئی دوسری انسانی کتاب دستیاب ہوگی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے سینکڑوں اور ہزاروں غیر مسلم ان شکوک سے نجات حاصل کرچکے ہیں۔ جو انکے دل میں اسلام کے برخلاف تھے ہزارہا بندگان خدا اس کے مطالعہ سے فرقہ پرستی کی دلدل سے نجات پاکر خالص مخلص مسلمان بن چکے ہیں بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے برخلاف جس قدر غلط فہمیاں ہندوستان میں اسوقت موجود ہیں انکا واحد علاج اساس الاسلام ہے۔ حجم چار سو صفحات۔ قیمت مجلد تین روپے

۳۔ یجروید کا مکمل اردو ترجمہ۔ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند نے ہندوؤں کی الہامی کتاب یجروید کا عام فہم ترجمہ سنسکرت اور ہندی میں کرکے ہندوستان کے ہندوؤں پر بڑا بھاری احسان کیا ہے۔ اسکے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ وید میں بت پرستی جیسی بیہودگی گئو پرستی چھوت چھات۔ ذات پات کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ وید اس بات پر بھی روشنی ڈالتا ہے کہ جب کوئی قوم حی و قیوم کی پرستش کو چھوڑ کر شجر و حجر کی پوجا کرنے لگ جاتی ہے۔ تو وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہو جاتی ہے سوامی دیانند کے مذکورہ بالا سنسکرت و ہندی وید کا اردو ترجمہ کرکے غازی صاحب نے احسان کیا ہے۔ حجم ... قیمت مجلد تین روپے

۴ سوامی دیانند کا اصلی ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء

آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند نے مذہبی جھگڑوں کو مٹانے کیلئے سب سے پہلی دفعہ جو ستیارتھ پرکاش ۱۸۷۵ء میں بنارس سے شائع کیا تھا۔ وہ فی الحقیقت ایک قابل قدر چیز تھی سوامی دیانند نے اپنی کتاب کے بنارسی ایڈیشن میں دلائل و براہین کے ذریعہ سمجھا دیا ہے کہ ایک ہی قیوم خدا ہی پرستش کے لائق ہے۔ وہ لاشریک ہے قادر مطلق ہے۔ خالق کائنات ہے روح اور مادہ کا بھی وہی خالق ہے۔ اسکی پرستش ہی ہماری دینی و دنیوی نجات کا ذریعہ ہے اسکے ساتھ کسیکو شریک کرنا یا اسکے سوا کسی غیر کی پوجا کرنا انسانی شرف کے منافی ہے۔ خدا کے مقدس رشی منی انبیاء و رسل ہر ایک زمانہ میں ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں پیدا ہوتے رہے ہیں ان میں سے کسیکی تحقیر و تنقیص نہیں کرنی چاہیئے بہشت و دوزخ سورگ و نرک سے انکار کرنا جہالت ہے مسلمانوں اور عیسائیوں سے کھانے پینے کے معاملہ میں چھوت چھات نہیں کرنی چاہیئے جیوؤں کی قربانی اور گئو کشی کو بند نہیں کرنا چاہیئے یہ باتیں ہیں جو وید کے عین مطابق ہیں غیر ملکی زبانیں مثلاً عربی فارسی اور انگریزی وغیرہ پڑھنی چاہئیں پیدائش کی بنا پر ذات پات نہیں ماننی چاہیئے بلکہ اعمال و اوصاف ہی اسکا بہترین معیار ہیں اس ایڈیشن میں عیسائیت یا اسلام کے برخلاف ایک لفظ بھی نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی صاحب ہندوؤں کی چھوت چھات۔ ذات پات اور بت پرستی کو دور کر کے ہندو مسلمان اور مسیحی تینوں قوموں کو متفق و متحد کرنا چاہتے تھے غازی صاحب نے اس کتاب کو بھی ہو بہو شائع کر دیا ہے حجم [illegible] صفحہ قیمت [illegible]

۵ منوسمرتی کا مکمل اردو ترجمہ

منوسمرتی یا منو کا دھرم شاستر کروڑہا ہندوؤں کے نزدیک مقدس کتاب ہے ہندوستان کے اولین مقنن نے اس کتاب میں بعض ایسے قوانین باندھے ہیں جو آج بیسویں صدی میں بھی ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندو اور مسلمانوں کیلئے نوے فیصدی امور میں تصفیہ کا باعث ہو سکتے ہیں جنپر آئے دن سر پھٹول ہوتا رہتا ہے مسجد کے سامنے باجہ نوازی۔ گئو کشی۔ جیوؤں کی قربانی شجر و حجر کی پوجا سود خوری سوئر خوری مسلمانوں کی شدھی وغیرہ کا منو دھرم شاستر نے ایسا فیصلہ کیا ہے کہ اگر ہندو اسکے ماننے کیلئے تیار ہو جائیں تو ہندو مسلم تنازعات ہمیشہ کیلئے دفن کئے جا سکتے ہیں غازی صاحب نے اسکا مکمل اردو ترجمہ شائع کر دیا ہے قیمت دو روپیہ

۶ شمشیر برہنہ

یہ تین کتابوں کا مجموعہ ہے اسمیں بعض ایسے حقائق و معارف برہنہ کئے گئے ہیں جنپر عرصہ سے پردہ پڑا ہوا تھا۔ ایک کتاب سوامی دیانند بانی آریہ سماج کی سوانح عمری۔ دوسری کتاب تخم ہندو اور تیسری کتاب ہندو مسلم اتحاد کا بنیادی پتھر ہے۔ غازی صاحب کی قلم سے ہیں اور معلومات میں خاص اضافہ کرتی ہیں حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت تین روپے

جملہ کتب کے ملنے کا پتہ:- منیجر دفتر "حنیف" — لودیانہ (پنجاب)